رمضان المبارک

اور

اس کے تقاضے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ان تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ جن میں حضرت مولاناؒ نے رمضان المبارک کی اہمیت بیان کرنے کے بعد یہ بتایا ہے کہ اس کے تقاضے اور پیغام کیا ہیں، نیز ہمارے اسلاف اور اکابر کے یہاں رمضان کا کس قدر اہتمام اور استقبال ہوتا تھا، اور یہ کہ رمضان ایک دور کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک مومن صادق کے لیے حیات نو کا آغاز ہے۔

ترتیب وتدوین: عبدالہادی اعظمی ندوی

ناشر:
دارالاشاعت، کراچی

کتاب کے جملہ حقوق بھارت میں سید احمد شہید اکیڈمی، رائے بریلی کے نام محفوظ ہیں،
پاکستان میں دارالاشاعت، کراچی کے نام محفوظ ہیں۔
کوئی بلا اجازت طبع کرنے کی جرأت نہ کرے۔

کتاب	:	رمضان المبارک اور اس کے تقاضے
		(مجموعہ مضامین و تقاریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)
ترتیب و تدوین	:	عبدالہادی اعظمی ندوی
صفحات	:	
تعداد	:	

اکتوبر ۲۰۱۴ء

ملنے کے پتے :

ناشر :
دارالاشاعت، کراچی

فہرست

عرض ناشر ۸
عرض مرتب ۱۰
مقدمہ از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ۱۲

روزہ اسلام کا تیسرا رکن
(۱۵-۲۰)

بہار کا موسم ۱۵
نماز تراویح اور قرآن شریف کا ختم ۱۶
پچھلے پہر اٹھ کر سحری کھانا ۱۶
روزہ ۱۶
روزہ اور برت میں فرق ۱۶
رمضان میں عبادت کا شوق اور دینی مشغولیت .. ۱۷
روزے کے ممنوعات ۱۷
افطار کی تیاری اور اس وقت کی فرحت و مسرت .. ۱۷
افطار ۱۸
مسجدوں میں قرآن کا ختم اور ختم پر تقریب ... ۱۸
رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف ۱۹
شب قدر کی برکت اور اس میں عبادت کا اہتمام .. ۱۹
عید کے چاند پر رمضان ختم ہو جاتا ہے ۲۰

فریضۂ رمضان کی حکمتیں
(۲۱-۲۷)

رمضان کا استقبال-قرنِ اول میں
(۲۸-۳۲)

عارفین وصالحین کے یہاں رمضان کا استقبال واہتمام
(۳۳-۴۲)

دہلی اور اس کے اطراف میں رمضان کی بہار .. ۳۵
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور رمضان کا اہتمام ۳۶
حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور رمضان کا اہتمام ۳۷
حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور رمضان المبارک کا اہتمام ۳۸
ایک پر اثر وحسب حال نظم ۴۱

ہلال رمضان کا پیغام
(۴۳-۴۸)

زہد اور صبر کا مہینہ ۴۳
دس گنے سے سات سو گنے کا ثواب ۴۴
میری اپنی انفرادیت اور خصوصیت ۴۵
کھانے پینے میں اعتدال اور دوسروں کی مدد کر کے میرا ساتھ دیجیے! ۴۷

رمضان مومن صادق کے لیے حیات نو
(۴۹-۵۷)

رمضان کا کوئی بدل نہیں ۴۹
رمضان کی فضیلت وعظمت ۴۹
نادر موقع ۵۰
اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ ۵۰
روزہ برائے افطار ۵۱
روزہ عادت یا عبادت ۵۱
روزہ رضائے الٰہی کا ذریعہ ۵۲
رحمتِ باری کا مظہر ۵۲
تلاوت کا موسم ۵۳
عبادت وطاعت کا مہینہ ۵۳
حقوق العباد کی فکر ۵۴
رمضان حیاتِ نو کا آغاز ۵۴
حقوق کی رعایت وادائیگی ۵۴
طلبِ علم اور علماء وصالحین کی ہم نشینی ۵۴
رمضان انقلاب انگیز مہینہ ۵۵
تصحیح نیت اور اخلاصِ عمل ۵۵
آٹومیٹک وضو اور خودکار نمازیں ۵۵
دائرہ شاہ علم اللہؒ کا پیغام ۵۵
شہرِ خموشاں کا حق ۵۶
ایصالِ ثواب کی برکت ۵۶
کیا خبر یہ آخری رمضان ہو! ۵۶
درود پاک کی کثرت ۵۷

رمضان المبارک کا مبارک تحفہ
(۵۸-۶۳)

رمضان کا مطالبہ ۵۸
رمضان ایک موسم ہے ۵۹
ایک لطیفہ ۶۰
حضرت سید احمد شہیدؒ کا واقعہ ۶۱
ہم اپنا جائزہ لیں ۶۲
ہر عمل شعور اور استحضارِ نیت کے ساتھ ہو ۶۲
رمضان کا خاص تحفہ اور پیغام ۶۲

رمضان اور اس کے تقاضے
(۶۴-۸۲)

نعمت اور احسان ۶۴
شکر اور قدر دانی ۶۵
ناقدری کی سزا ۶۶
برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ ۶۷
قدر دانوں سے کچھ باتیں ۶۹
پہلی بات ۷۰
ایک اندیشہ ۷۲
یاد دہانی ۷۳
مراقبہ اور استحضار ۷۳
ایک نصیحت آموز واقعہ ۷۴
شانِ امتیازی پیدا کیجیے!! ۷۶
حضرت گنج شکرؒ کی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو نصیحت ۷۷
بہتری کیوں نہیں؟ ابتری کیوں؟ ۷۸

نماز، تلاوت اور ذکر کی عادت ڈالیے!! .. ۷۹
تقویٰ مزاج کا نام ہے ۸۰
ایک بات اور ۸۰
بڑی آزمائش ۸۱
انسانی کمزوری اور اس کا علاج ۸۲

رمضان المبارک تقویٰ کا مزاج بنانے کے لیے ہے
(۸۸-۸۳)

شکر پر نعمتوں کی زیادتی ہوتی ہے ۸۳
مبارک ساعتیں اور دن ۸۵
تقویٰ مزاج کا نام ہے ۸۶

رمضان المبارک اور اس کا لازم اور متعدی پہلو
(۹۵-۸۹)

صرف طاعات میں لگنا اور معصیت سے بچنا ”تقویٰ“ نہیں ۸۹
رمضان مزاج بنانے کے لیے ہے ۹۰
نماز کا لازم اور متعدی پہلو ۹۰
زکوۃ کا لازم اور متعدی پہلو ۹۱
حج کا لازم اور متعدی پہلو ۹۲
رمضان کا لازم اور متعدی پہلو ۹۳
ایک تجربہ کی بات ۹۵

رمضان المبارک کا پیغام
(۱۱۱-۹۶)

روزے کی فرضیت میں انسانی فطرت کی رعایت ۹۶
تقویٰ کا صحیح مفہوم ۹۸
رمضان المبارک کا اصل پیغام ۱۰۱
ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟ ۱۰۲
کبائر سے توبہ کریں ۱۰۴
حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کیجیے! ۱۰۴
بچوں کی دینی تعلیم وقت کا سب سے بڑا مسئلہ . ۱۰۶
اس ملک میں آپ کیسے رہیں؟ ۱۰۸
ایک نمونہ یہ بھی تھا ۱۱۰

دو روزے
(۱۲۱-۱۱۲)

توفیق الٰہی ۱۱۲
چھوٹا روزہ اور بڑا روزہ ۱۱۲
چھوٹے اور بڑے روزے کا افطار ۱۱۳
شرک کیا ہے؟ ۱۱۵
توحید کامل ۱۱۷
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۷
شریعت پر عمل ۱۱۸
گناہوں سے بچنا ضروری ہے ۱۱۸
ایمان پر خاتمہ کی فکر اور دعا ۱۱۹
ہم آزاد نہیں پابند ہیں ۱۱۹
روزہ کا انعام ۱۲۰
حضرت شاہ غلام علی مجددی کا واقعہ ۱۲۰
ساری عمر کا روزہ بڑا روزہ ہے ۱۲۰

جمعۃ الوداع کا پیغام
(۱۳۲-۱۲۲)

کوتاہیوں پر ندامت ۱۲۳
ہم تجھے کہاں تلاش کریں؟ ۱۲۵

اصل روزہ ۱۲۶
چراگاہ کے قریب ۱۲۹
چھٹی نہیں ۱۳۱

رمضان کا پیغام اور انعام
(۱۴۲-۱۳۳)

اللہ کا خصوصی انعام اور احسان ۱۳۳
سب سے اہم وصیت ۱۳۴
پوری زندگی کا دستور العمل اور ہدایت نامہ .. ۱۳۵
کمال ایمان کے لوازمات اور شرائط ۱۳۶
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی عقل ایمانی .. ۱۳۷
عقیدہ سب سے پہلے پھر نماز ۱۳۹
زکوٰۃ اور حج ۱۳۹
شریعت کی مکمل پیروی ۱۴۰
آئندہ نسل کی حفاظت کیجیے! ۱۴۰
خطرناک منصوبہ ۱۴۱
آخری بات ۱۴۱

رمضان مغفرت کا مہینہ ہے
(۱۴۸-۱۴۳)

مسلمانوں کا اصل مرض بدنیتی نہیں بے نیتی ہے ۱۴۳
اعمال کی مقبولیت کی علامات و آثار ۱۴۴
اعمال طاقت پیدا کرتے ہیں ۱۴۵
روزے کا مقصد نفس پر قابو پانا ہے ۱۴۵
روزے کا منشا ۱۴۶
خیرات و صدقات کا مہینہ ۱۴۷
توبہ و استغفار کا مہینہ ۱۴۷
ہمدردی و غمگساری، ایثار و خیر خواہی کا مہینہ .. ۱۴۸

عید الفطر
(۱۵۱-۱۴۹)

عید کا استقبال اور اس دن کے اعمال ۱۴۹
عید کی نماز ۱۵۰
عید کی نماز کے بعد ایک دوسرے سے ملنا اور تواضع کرنا ۱۵۱

عید رمضان کا انعام اور ثمرہ
(۱۵۹-۱۵۲)

جسے عید کہتے ہیں ۱۵۲
عید مختلف ادوار سے گزری ۱۵۳
زندگی تبدیلیوں کا نام ہے ۱۵۵
باغی اور سرکش نہیں، بلکہ گنہگار اور قصوروار ۱۵۶
کریم کا احسان ۱۵۸

عید الفطر کا پیغام
(۱۶۵-۱۶۰)

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا ۱۶۲
دنیا حقیقی عید سے محروم ہے ۱۶۳

رمضان کے بعد
(۱۷۳-۱۶۶)

رمضان ایک دور کا خاتمہ نہیں، بلکہ ایک دور کا آغاز ہے ۱۶۶
توبہ و استغفار ۱۶۶

توبہ ایک مستقل عبادت ہے............. ۱۶۸
سب سے اعلیٰ اور افضل کام ۱۶۸
ایمان کی تجدید ۱۶۹
شریعت کا پاس ولحاظ اور سنت کی اتباع ... ۱۷۰
رمضان کا خاص تحفہ اور سوغات ۱۷۱
ہمدردی وغمخواری ۱۷۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو اللہ تعالی نے علم، فکر، دعوت اور اخلاص وللّٰہیت کی جن بلندیوں تک پہنچایا وہ حضرت مولاناؒ کا امتیاز ہے، مولانا نے جو کچھ لکھا وہ ان کے دل کی آواز اور فکر کا نچوڑ ہے، انھوں نے شاید ہی کوئی ایسا گوشہ تشنہ چھوڑا ہو جس میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام نہ دیا ہو، ہر صحیح الفکر مصنف اور درد دل رکھنے والے کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اس کا درد و فکر ایک ایک فرد تک پہنچے، حضرت مولاناؒ عجب درد کے انداز میں خاص طور پر اپنے اخیر دور میں فرمایا کرتے تھے: ''قل ما شئت واكتب ما شئت فإنا عنك في شغل'' جو چاہو کہو، جو چاہو لکھو، ہمیں فرصت نہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نے جو کچھ اس بیسویں صدی میں لکھا اُس میں پوری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک راستہ ہے، قرآن وحدیث کے عطر کو مولانا نے کشید کرنے کی کوشش کی ہے اور اُس کی خوشبو ایک عالم میں پھیلائی ہے۔

حضرت مولانا نے تیرہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کیا اور زندگی کے آخری دن تک اس داعیِ حق کا قلم امت کی رہنمائی کرتا رہا، اس عرصہ میں مولانا نے ہزاروں صفحات لکھے، اگر ان کو مولانا کی عمر کے دنوں میں تقسیم کیا جائے تو کتابوں کے صفحات ان دنوں کی تعداد پر غالب نظر آتے ہیں۔

مولانا کی سیکڑوں تصنیفات دنیا بھر میں پڑھی پڑھائی جارہی ہیں، ان میں سیکڑوں مقالات ومضامین اور خطابات جرائد ومجلّات کے صفحات کی زینت تھے، ان میں بہت سے نئے قالب ڈھالے گئے، اور ان کی اشاعت ہوتی رہی، اور ان ہی میں بڑی تعداد اُن مقالات ومضامین کی بھی ہے جو ابھی تک قدیم رسائل کی شکل میں تھے یا مجلّات ورسائل کی فائلوں میں محفوظ تھے، اس کی ضرورت تھی کہ ان کو جمع کیا جائے اور موضوعات کے اعتبار سے ان کو مرتب کر کے شائع کیا جائے تا کہ ان سے استفادہ عام ہو سکے۔

حضرت مولاناؒ کی وفات کے بعد جب دار عرفات کے زیر اہتمام ''مركز الإمام أبي

الحسن للبحوث و الدعوة و الفكر الإسلامي ''کا قیام عمل میں آیا تو اس کے بنیادی مقاصد میں یہ بات بھی شامل تھی کہ حضرت مولاناؒ کے قدیم مضامین ومقالات پر ازسرنو کام ہو اور اُن کی اشاعت کا سامان ہو، اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام تکمیل کے مرحلہ میں ہے، مرکز ہی کے شعبۂ فکر اسلامی سے منسلک دار العلوم ندوۃ العلماء کے فاضل عزیز گرامی مولوی عبد الہادی اعظمی ندوی سلمہٗ اللہ کو یہ کام سپرد کیا گیا تھا، اور انھوں نے بڑی مستعدی اور جانفشانی سے یہ مضامین جمع کیے، موضوعات کے اعتبار سے ان کو تقسیم کیا، اور اب الحمد للہ متعدد کتابیں مختلف موضوعات پر تیار ہیں۔

زیر نظر کتاب ''رمضان المبارک اور اس کے تقاضے'' رمضان مبارک سے مناسبت رکھنے والے مضامین اور اس مبارک مہینہ میں کی گئی تقریروں کا مجموعہ ہے، اس سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب عقائد کے موضوع پر ''اسلام کے تین بنیادی عقائد'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جس میں توحید، رسالت اور آخرت کے موضوعات پر حضرت مولاناؒ کے ان مضامین کو جمع کیا گیا ہے جو اپنے موضوع پر منفرد ہیں، الحمد للہ اس کتاب کا ہندی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اور انگریزی ترجمہ بھی تیار ہے، جس کو ان شاء اللہ جلد ہی شائع کیا جائے گا۔ اس کتاب کے بعد اب یہ دوسری کتاب ''رمضان المبارک اور اس کے تقاضے'' ناظرین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے، امید ہے کہ اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے گا۔

جانشین مفکر اسلام، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا قیمتی مقدمہ اس کتاب کی زینت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت و عافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے۔

عزیز القدر مولوی محمد نفیس خاں ندوی شکریہ و دعا کے مستحق ہیں کہ انھوں نے تصحیح میں مدد کی اور اشاعت کی ذمہ داری نبھائی۔ اللہ تعالیٰ اس کو مفید تر فرمائے اور قبول فرمائے، آمین۔

بلال عبد الحی حسنی ندوی

۲۴ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

تین سال قبل جب راقم السطور مرکز الإمام أبي الحسن الندوي سے منسلک ہوا تو استاذ محترم مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی حفظہ اللہ ورعاہ نے میرے ذمہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان مضامین وخطبات کو جمع کرنے اور موضوع کے لحاظ سے ترتیب دینے کا کام سپرد کیا جو مختلف کتب اور رسائل وجرائد میں منتشر تھے۔

اس سلسلے میں پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ (۱۹۵۹ء سے ۲۰۰۰ء تک کے شمارے)، ماہنامہ "الندوہ" (لکھنؤ) کی مکمل فائلیں، نیز ماہنامہ "الفرقان" (لکھنؤ) اور ہفت روزہ "ندائے ملت" (لکھنؤ) کی جتنی فائلیں مل سکیں، ان کو دیکھنے کے بعد مضامین اور خطبات کی ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی، جن کو موضوع کے لحاظ سے مرتب کرنے کا کام شروع کردیا۔

اس سلسلے کی پہلی کڑی پیش نظر کتاب ہے جو "رمضان المبارک اور اس کے تقاضے" کے عنوان سے شائع ہورہی ہے، اس کتاب میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ان مضامین ومقالات کو، جو رمضان المبارک کے فضائل، اس کے پیغام اور تقاضے، نیز اس کے انعام یعنی عیدالفطر سے متعلق تھے، حتی الامکان مختلف کتب اور رسائل وجرائد سے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

راقم السطور نے ان مضامین ومقالات کو مفید بنانے کے لیے اغلاط کی تصحیح کی، نیز ذیلی عناوین قائم کرکے استفادہ آسان کرنے کی کوشش کی ہے، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ

کے حوالوں کا بھی اہتمام کیا ہے، ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ، ان تقریروں میں جن پر حضرت مولاناؒ نے نظر ثانی نہیں فرمائی تھی، ان میں بعض جگہ عبارتوں میں ربط کے نہ ہونے کی وجہ سے مفہوم سمجھنے میں دشواری تھی، اس دشواری کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا، جو الحمد للہ مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن کی طباعتی اغلاط کی تصحیح اور مزید دو تقریروں کے اضافہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، نیز اس ایڈیشن میں حضرت مولاناؒ اور مرتب کے حواشی میں تمیز کرنے کے لیے حضرت مولاناؒ کے حواشی کے آگے بین القوسین ''ح'' کا اضافہ کر دیا ہے، اسی طرح بعض دیگر جزوی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

اخیر میں میں استاد محترم جناب مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی حفظہ اللہ ورعاہ کا ممنون و مشکور ہوں جنھوں نے یہ ذمہ داری میرے سپرد کر کے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی، اور اس کام کو انجام دینے میں ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس کے نفع کو عام فرمائے، آمین یارب العالمین۔

عبد الہادی اعظمی ندوی

ابراہیم پور، اعظم گڑھ

۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینہ کو دینی لحاظ سے ایسا چمن زار بنایا ہے کہ اس سے انسان کی عبادتی روح کو بڑی غذا ملتی ہے، مسلمان اس مہینہ میں اللہ کے لیے کھانے پینے سے وقفہ وقفہ سے بچتا ہے، اور مرغوبات سے خاصی حد تک پرہیز اختیار کر کے روح کو تقویت پہنچاتا ہے، پھر جھوٹ اور غیبت اور زبان کی خرابیوں سے پرہیز کرتا ہے، یہ بات اس کی طبیعت میں دینی جلا پیدا کرتی ہے، اور ان کیفیات سے اس کے اندر غریبوں اور بھوکوں کی تکلیف کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے، اور یہ اس میں انسانی ہمدردی کا مزاج بناتا ہے، پھر باقاعدہ عبادت کی صورت میں تراویح اور تہجد کا خصوصی اہتمام کرتا ہے۔ یہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے قرب کا ذریعہ بنتا ہے، اور یہ سلسلہ ایک دو روز کا نہیں بلکہ پورے ایک مہینے کا ہوتا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں جب مہینہ مذکورہ بالا کیفیات کے ساتھ پورا ہوتا ہے، اور یہ احتیاط وعبادت بخوبی انجام پذیر ہوتی ہے، تو اس کا اظہار عید کی خوشی کے حصول سے اور اس کی مبارک بادوں سے ہوتا ہے۔

اس مہینہ میں مزید یہ ایک مفید بات ہوتی ہے کہ وقتاً فوقتاً اہل تقویٰ اور علم دین کے حاملین اس ماہ عبادت کی مناسب سے وعظ ونصیحت کا اہتمام کرتے ہیں، اور جو باتیں ان کے خطابوں میں اور گفتگوؤں میں روزے داروں کے سامنے آتی ہیں، وہ ان کی ہمت افزائی اور ان کے جذبۂ دینی کو بڑھانے کا کام انجام دیتی ہیں، وہ خطابات اور پیغام رمضان کے

گزر جانے کے بعد بھی اپنا اثر رکھتے ہیں، اور یہ خطابات ایک اعلی خطاب کرنے والے کی دعوتی اور تربیت دینی کی اعلی صفات کے مطابق اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اعلی دعوتی مزاج کے حامل تھے، اور وہ اپنے خطابات میں تفہیم وتاثیر کا مؤثر انداز رکھتے تھے، وہ اپنی فنی خصوصیات کے لحاظ سے سامعین کے دل ودماغ دونوں کو متاثر کرتے تھے۔ ان کے خطابات کو سن کر متعدد لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ان خطابات کو جمع کردیا جائے تو وہ ایک اچھی تربیتی کتاب بن جائے گی، چنانچہ عزیزی عبدالہادی اعظمی ندوی نے ان خطابات میں سے رمضان کے خطابات کو جو رسالوں میں اپنے اپنے وقت پر شائع ہوئے تھے جمع کیا، اور بصورت کتاب تیار کردیا، اس کے لیے مجھ سے انہوں نے مقدمہ کی فرمائش کی، میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کی طرف ان کا انتساب ہی کافی تھا، کسی مقدمہ کی ضرورت نہیں تھی، لیکن ایک نیک کام میں شرکت کرنا میرے لیے باعث سعادت ہے، اس لیے میں نے یہ چند سطریں شرکت خیر کے طور پر تحریر کردی ہیں، اللہ تعالی اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور مولانا کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

۱۳ر جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ　　　　محمد رابع حسنی ندوی

روحانیت کا جشن عام

''رمضان المبارک جس طرح قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات و تجلیات کا مہینہ ہے، طاعات وعبادات کی بہار کا زمانہ ہے، اور روحانیت کا جشن عام ہے، اسی طرح عارفین عشاق اور عالی ہمت خاصان خدا کی دلی مراد بر آنے کا موسم اور ان کا محبوب ترین مہینہ ہے، جس کے لیے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں۔ اولیائے متقدمین کا ذکر نہیں بعض قریب العہد بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہو جاتا تھا، رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش وولولہ، اور ایک نئی نشاط وامنگ پیدا ہو جاتی تھی، اور وہ کبھی زبان حال سے یوں گویا ہوتے تھے ع

هٰذَا الَّذِي كَانَتِ الْأَيَّامُ تَنْتَظِرُ　　فَلْيُوْفِ لِلّٰهِ أَقْوَامٌ بِمَا نَذَرُوْا

اور کبھی کیف وسرور میں آ کر یوں گنگنانے لگتے تھے ع

پلا ساقیا وہ مئے دل فروز
کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز''

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

روزہ اسلام کا تیسرا رکن

روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے، اور یہ بھی ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے، البتہ اگر وہ روزے کے زمانہ میں بیمار یا حالت سفر میں ہو تو، وہ اس وقت روزہ چھوڑ سکتا ہے، لیکن پھر اس کو دوسرے وقت میں قضا کرنا پڑے گا۔ خدا نے روزے کے لیے رمضان کے مبارک مہینہ کا انتخاب فرمایا ہے، جس کو قرآن مجید سے خاص مناسبت ہے، اور خاص برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ ہے۔ (۱)

بہار کا موسم

رمضان کے چاند کے طلوع کے ساتھ رمضان، اس کی عبادات، اور اس کے مخصوص روحانی مشاغل، اور اس کی نورانی فضا کا آغاز ہو جاتا ہے، اور مسلمانوں کے گھروں اور بستیوں میں ایک نئی زندگی نظر آنے لگتی ہے۔ یہ مہینہ اگرچہ صبر وضبطِ نفس، وقار و سنجیدگی اور بہت سی غیر معمولی پابندیوں اور احتیاطوں کا پیام لے کر آتا ہے؛ لیکن عام طور پر اس کا استقبال مسرّت بلکہ محبت کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور دینی ذوق اور قرآن سے عشق رکھنے والوں کے حساب سے تو گویا بہار آجاتی ہے۔ گھروں میں خاص چہل پہل اور مسجدوں میں نئی رونق نظر آنے لگتی ہے۔ روز تو عشاء کی نماز پڑھ کر سب اپنے اپنے گھر رخصت ہو جاتے تھے، اور اپنے کام میں لگ جاتے تھے، لیکن رمضان کی چاند رات میں کچھ بات ہی اور نظر آتی ہے۔ آج کچھ نمازیوں میں بھی اضافہ نظر آتا ہے، کچھ نماز میں بھی؛ نمازیوں میں اضافہ یہ کہ

(۱) روزے اور رمضان کی مناسبت اور جوڑ، اس میں روزے کی فرضیت کی مصلحتیں، ایک مخصوص مہینہ کے تعین، اور اس کے لیے پورے انتیس یا تیس دن ضروری ہونے کی حکمت معلوم کرنے کے لیے "ارکان اربعہ" یا اس کے انگریزی ترجمہ میں روزے کا باب ملاحظہ فرمانا چاہیے۔ (ح)

بہت سے مسلمان جو مکان یا دکان میں نماز پڑھ لیتے تھے، اور دیر سویر کا بھی ان کو کچھ زیادہ اہتمام نہ تھا، آج چست و مستعد ہشاش بشاش مسجد میں نظر آ رہے ہیں۔

نماز تراویح اور قرآن شریف کا ختم

اور نماز میں اضافہ یہ کہ عشاء کی دو سنتوں کے بعد آج تراویح کی نماز ہوگی۔ یہ دو دو کر کے بیس رکعتوں کی نماز ہے۔ ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا ہے۔ اس میں قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ کہیں ایک پارہ، کہیں دو پارے اور کہیں پانچ اور کہیں دس۔ تراویح میں قرآن شریف ختم کیا جاتا ہے۔ کوئی ایسا کم ہمت مسلمان ہوگا، جو پورا قرآن شریف سننے کے بجائے چند سورتیں سننے پر اکتفا کرے۔ ایسے ایسے جید حافظ بھی ہیں، جو دس دس اور پندرہ پندرہ پارے بھی ایک رات میں سنا دیتے ہیں، اور بعض رات بھر میں قرآن شریف پڑھ کر ہی دم لیتے ہیں۔ مسلمان اکثر بڑے ذوق وشوق سے تراویح پڑھتے ہیں اور کبھی اس میں ایک گھنٹہ، کبھی دو گھنٹے اور قرآن مجید پڑھنے کی مقدار کے مطابق کبھی تین تین، چار چار گھنٹے لگا دیتے ہیں۔

پچھلے پہر اٹھ کر سحری کھانا

رات کو صبح صادق سے پہلے پہلے (روزے کی طاقت پیدا کرنے کے لیے اور تاکہ بھوک و پیاس زیادہ نہ ستائے) کچھ کھا لیا جاتا ہے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''سحور'' اور ہندوستان میں 'سحری' کہتے ہیں۔ یہ سنت بھی ہے اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے، اس میں اپنے اپنے مذاق، اپنی اپنی ضرورت و حیثیت کے مطابق کمی زیادتی بھی ہوتی ہے، اور تنوع بھی ہوتا ہے۔ صبح صادق پر اس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اکثر لوگ احتیاطاً کچھ پہلے سے ختم کر دیتے ہیں۔

روزہ

اب روزہ شروع ہو گیا، اب غروب آفتاب تک کھانا پینا اور جنسی تعلقات ممنوع ہیں۔

روزہ اور برت میں فرق

اسلامی روزہ ہندوستان کے مروجہ مذہبی برت کے دنوں اور ترک غذا کے ان طریقوں

سے، جو حفظانِ صحت اور طبی ضرورتوں سے اختیار کیے جاتے ہیں، مختلف ہے۔ اسلامی روزے میں کوئی غذا، مشروب، یہاں تک کہ دوا کا بھی حلق سے اتارنا اور نگلنا ممنوع ہے۔ غذاؤں اور کھانے پینے میں بھی کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں کہ اناج ممنوع ہو اور فواکہ جائز، یا نیبو یا نمک کے ساتھ یا مطلق پانی جائز ہو۔ اس قسم کی کسی چیز کے استعمال سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر ایسا فعل قصداً کیا گیا ہے تو اس کے جرمانہ کے طور پر ساٹھ روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، البتہ اگر آدمی کو روزے کا خیال نہیں تھا، اور اس نے کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں جائے گا۔

رمضان میں عبادت کا شوق اور دینی مشغولیت

اس مہینہ میں عام طور پر لوگوں کا ذوقِ عبادت اور ان کی دینی مشغولیت کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ ہر روزہ دار قرآن مجید کی تھوڑی بہت تلاوت ضروری سمجھتا ہے۔ احسان وسلوک، غم خواری اور ہمدردی کا جذبہ بھی بیدار، اور اگر وہ پہلے سے موجود تھا، تو ترقی کر جاتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مہینہ کو غم خواری اور ہمدردی کا مہینہ کہا ہے، اور اس میں ایک پیسہ خرچ کرنے سے ستر پیسوں کا ثواب ملتا ہے۔

روزے کے ممنوعات

روزہ صرف ایک ایجابی فعل نہیں ہے، وہ سلبی بھی ہے۔ اس میں فضول گوئی، جھوٹ، غیبت اور وہ سب فعل جو پہلے سے مذموم تھے، اور زیادہ مذموم ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ جس نے روزہ میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا، تو اللہ کو اس بات کی بالکل ضرورت نہیں کہ آدمی اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

افطار کی تیاری اور اس وقت کی فرحت ومسرت

لیجیے! بات کرتے کرتے روزہ افطار کرنے کا وقت آ گیا۔ مسلمانوں کے گھروں اور مسجدوں میں پہلے سے افطار کی تیاریاں ہو رہی تھیں، یہ کچھ قدرتی بات بھی ہے کہ بھوکے پیاسے رہنے کے بعد آدمی میں کھانے پینے کا شوق اور خدا کی نعمتوں کی قدر بڑھ جاتی ہے۔

اورشریعت نے بھی اس خوشی کو جوروزے دارکوافطار کے وقت ہوتی ہے، روزے کا ایک انعام اورفطرت کا ایک حق تسلیم کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ''روزہ دار کے حصہ میں دوخوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت کی اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے موقع پر، جب اس کو روزے کا انعام ملے گا''۔ روزے داروں کی نگاہیں قدرتی طور پر مغرب کی طرف ہیں یا اپنی گھڑیوں پر یا مؤذن کے لبوں پر۔ اس وقت بھی کچھ اللہ کے بندے اپنے وقت کو وصول کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور وہ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر قرآن شریف کی تلاوت یا اللہ کا نام لینے میں مشغول ہیں، کہ یہ وقت پھر نصیب نہ ہوگا۔

افطار

دفعتاً مؤذن کی صدا بلند ہوئی ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ! اَللّٰهُ اَكْبَرُ!'' اور اپنی اپنی بستی کے رواج کے مطابق گولہ دغا، یا مسجدوں کے میناروں سے روشنی چمکی، ''اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ'' (اے اللہ! تیری خاطر میں نے روزہ رکھا، تجھ پر ایمان لایا اور تیرے دیے ہوئے رزق پر اب روزہ کھول رہا ہوں) ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' لیجیے روزہ کھل گیا، مگر اطمینان سے شکم سیر ہو کر کھانے کا ابھی موقع نہیں، کہ مغرب کی نماز تیار ہے۔ بعض لوگ اسی افطار کو افطار اور کھانا بنا لیتے ہیں۔ ہندوستان میں زیادہ تر لوگ نماز سے فارغ ہو کر کھانا کھاتے اور اپنے معمولات پورے کرتے ہیں۔

کھجور سے روزہ کھولنا زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے، کہ وہ اچھی غذا بھی ہے اور سنت بھی، ہم خرما و ہم ثواب، افطار میں بھی ہندوستان میں زیادہ اہتمام اور تنوع (Variety) پایا جاتا ہے اور یہاں کئی ایسی چٹپٹی چیزیں ایجاد ہوئی ہیں جو دوسرے ملکوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، ان کا بڑا جزو چنا ہے جو ہندوستان کی خاص پیداوار ہے۔

مسجدوں میں قرآن کا ختم اور ختم پر تقریب

اب روزے کا نظام الاوقات وہی رہے گا جو اوپر بیان ہوا۔ قرآن شریف رمضان کی مختلف تاریخوں میں ختم ہوگا، تراویح تو پورے رمضان میں ہے، البتہ ایک قرآن شریف سن

لینا مسلمان ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض "ہوشیار" لوگ کسی ایک مسجد میں پانچ سات دن میں قرآن شریف سن لیتے ہیں پھر سارے مہینہ ہلکی پھلکی تراویح پڑھتے رہتے ہیں، لیکن اس میں سہولت پسندی کو زیادہ دخل ہے، دینداری کو کم، عموماً ستائیسویں شب یا اس کے آس پاس قرآن شریف مسجدوں میں ختم ہوتے ہیں، اور ہندوستان میں اس موقع پر شیرینی تقسیم کرنے کا بھی عام رواج ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف

رمضان کے آخری عشرہ (دہے) کا اعتکاف بھی بڑے ثواب کا کام اور ایک محبوب سنت ہے۔ بیسویں روزے کو آفتاب غروب ہونے کے وقت بہت سے دیندار مسلمان اعتکاف کی نیت سے مسجد میں آرہتے ہیں، اب وہ عید کا چاند دیکھ کر ہی مسجد سے باہر نکلیں گے۔ اعتکاف کی حالت میں سوائے بشری ضروریات (پیشاب، پاخانہ، غسلِ جنابت) کے مسجد سے باہر جانا ممنوع ہے، وضو بھی مسجد کے حدود ہی میں کیا جاتا ہے۔ اعتکاف کیا ہے؟ گویا خدا کے دروازہ پر آکر بالکل پڑ ہی گئے، اپنے گھر اور در کو بھی سلام کیا، اور گھر والوں اور عزیزوں سے بھی کہہ دیا کہ بس عید کا چاند دیکھ کر ہی تم سے ملنے آئیں گے۔ عام طور پر اعتکاف کی وجہ سے لوگوں کو عبادت اور رمضان کی قیمت وصول کرنے کا زیادہ موقع ملتا ہے، اور بہت سے کمزور ارادہ کے لوگ بہت سے مکروہات سے اور دنیا کی زق زق، بق بق سے بچ جاتے ہیں۔

شب قدر کی برکت اور اس میں عبادت کا اہتمام

یوں تو رمضان کے پورے آخری عشرہ کی بڑی فضیلت ہے، لیکن شب قدر جو بڑی برکت کی رات ہے، اور جس کے نام پر قرآن شریف کی ایک پوری سورہ ہے (سورۃ القدر)، خاص طور پر فضیلت اور برکت کی رات ہے۔ اس کو قرآن شریف میں ایک ہزار مہینوں سے بہتر کہا گیا ہے۔ یہ رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات (اکیسویں، تیئیسویں اور علیٰ ہذا القیاس) میں ہوسکتی ہے، لیکن ستائیسویں شب کی مسلمان اور زیادہ قدر کرتے ہیں کہ اس میں اس کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔

عید کے چاند پر رمضان ختم ہوجاتا ہے

دن گزرتے دیر نہیں لگتی اور ۲۹ – ۳۰ دن کی اوقات ہی کیا، ابھی عبادت اور روحانیت کے حریصوں کو تسلی بھی نہیں ہوئی تھی، اوران کی زبانوں پر ھَلْ مِنْ مَزِیْد-ھَلْ مِنْ مَزِیْد کا نعرہ تھا، جتنے دن گزرتے جاتے تھے، عامی آدمیوں کو بھی روزوں سے اور مناسبت پیدا ہوتی جاتی تھی کہ چاند رات آگئی، رمضان نے رختِ سفر باندھا، اور آئندہ سال کا وعدہ کرکے مسلمانوں سے رخصت ہوا، عید کا چاند نکل آیا، شکر آمیز صبر کی جگہ صبر آمیز شکر نے لی، خدا کا ایک مہمان اور پیامبر رخصت ہوا، دوسرا مہمان اور پیامبر آیا، وہ بھی حکم تھا یہ بھی حکم، آج تک دن میں کھانا گناہ تھا کل دن میں نہ کھانا گناہ ہوگا۔ (۱)

---

(۱) ماخوذ از ’’ہندوستانی مسلمان-ایک نظر میں‘‘، از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شائع کردہ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، ص: ۹۷ تا ۱۰۴۔

فریضۂ رمضان کی حکمتیں

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [سورة البقرة:١٨٣]۔

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلوں پر کیے گئے تھے، تاکہ شاید تم میں تقویٰ پیدا ہو۔''

اسلام اپنے پیروؤں کو جس اعتدال، ضبطِ نفس، اطاعت اور روحانیت کے کمال تک پہنچانا چاہتا ہے، اس کے لیے اس نے دو راستے اختیار کیے ہیں:

جو اشیاء اور اعمال، انسان کی زندگی میں خود فراموشی، سخت بے اعتدالی، معصیت اور ارتکابِ جرم کی طرف طبعی میلان، پستی اور بے عملی کی طرف رجحان اور سرکشی کی رغبت، دنیا کی زندگی کی بڑھی ہوئی ہوس، تعیش و فسق و فجور کا بحران، بے حیائی اور بے غیرتی کی ترغیب پیدا کرتے ہیں، ان سب کو اس نے ابدی طور پر انسان کے لیے ممنوع قرار دے دیا۔ جس میں عمر کے کسی مرحلے اور زمانے کے کسی اختلاف اور ملک و مقام کے کسی امتیاز کو دخل نہیں ہے۔ ممنوعات کی اس فہرست میں وہ تمام معاصی داخل ہیں، جو کبھی انسان کے لیے حلال اور جائز نہیں، مثلاً شراب، لحمِ خنزیر، قمار، ربوا، مالِ حرام اور دوسرے معاصی۔

جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے، یا مسلمان سنِ بلوغ کو پہنچتا ہے، تو وہ ان تمام چیزوں سے روزہ رکھ لیتا ہے۔ اس روزے کی ابتداء یا اس زندگی کی صبحِ صادق، اسلام کے احکام کا مخاطب بن جانا ہے۔ اب اس روزے کا افطار عمر کے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے نہیں ہے۔ یہ ایک طویل روزہ ہے جو ہر مسلمان کو سفر و حضر میں رکھنا ہوتا ہے، اور حالت

اضطرار (شرعی) کے سوا کوئی استثناء نہیں۔ شریعت کے مقاصد کے حصول کے لیے اور ان معاصی کو بند کرنے کے لیے، جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے، یہ روزہ لازمی ہے۔

ان منصوص چیزوں کے علاوہ لذت کی تمام چیزیں (بشرطیکہ وہ حرمت وکراہت سے خالی ہوں) مباح اور جائز ہیں، ان سے خواہ مخواہ کے لیے رکنا پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا گیا ہے، اور ان حلال چیزوں کو اپنے لیے حرام کرلینا شریعت میں ایک طرح کی تحریف، دین میں تشدد اور کفران نعمت قرار دیا گیا ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ، قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [سورة الأعراف: ۳۲]

(آپ کہہ دیجیے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی اس زینت اور پاک رزق کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ یہ سب چیزیں ایمان والوں کے لیے دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں تو مخصوص طور پر۔)

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کھانا پینا ناجائز نہیں، بلکہ اسراف ناجائز ہے:
﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)، (پس کھاؤ اور پیو، اور اسراف مت کرو۔)

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مباحات ولذائذ کا بے قید اور دائمی استعمال، لذتوں میں انہماک، اکل وشرب کی دائمی آزادی، اس جادۂ اعتدال سے انسان کو ہٹا دیتی ہے جس پر دین مسلمان کو دیکھنا چاہتا ہے، اس کے رجحانات اور مقاصد زندگی کو بدل دیتی ہے اور بعض اوقات نفس پروری، شکم پروری، ناؤ نوش، اور بعیش کوش مقصود زندگی بن جاتا ہے۔ طبیعت میں ایک طرح کی بلادت اور بے حسی پیدا ہو جاتی ہے۔ ضبط نفس اور جفاکشی کی قوت باقی نہیں رہتی، تن آسانی، تنعم کی خو پیدا ہو جاتی ہے۔ انسانیت کی روح کچل جاتی ہے اور روحانی جذبات مردہ ہو جاتے ہیں۔ سالہا سال اور بعض اوقات پوری عمر، حقیقی روحانی مسرت، سبک روحی، دماغ کی یکسوئی، ذکر وعبادت میں لذت، مناجات کی حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو برسوں خالی پیٹ ہونے اور اعتدال کی سعادت حاصل نہیں ہوتی، اور وہ اس کا مزہ نہیں جانتے۔

اس اعتدال، ضبطِ نفس اور روحانیت کی قوت کو بڑھانے کے لیے دو راستے تھے: ایک تقلیلِ طعام کا راستہ تھا، لیکن اس میں دو نقص ہیں: ایک تو اس کا عمومی معیار، سب کے لیے ایک مقدار مقرر کرنا نہایت مشکل ہے، اور اس کو لوگوں کی رائے اور تمیز پر چھوڑنا بھی دشوار؛ کہ اول تو یہ اصولِ تشریع (آئین سازی) کے خلاف ہے، دوسرے مذاہب واخلاق کی تاریخ میں اس کا تجربہ ہمیشہ ناکام رہا ہے، لوگوں نے اس آزادی اور اختیار کا ہمیشہ غلط استعمال کیا ہے، اور مبہم اور غیر معین احکام عملاً بیکار و بے نتیجہ ہو کر رہ گئے (جیسے بہت سے اخلاقی نصائح اور ہدایات)، دوسرے اکثر محض تقلیلِ طعام بہت طبائع کے لیے بالکل غیر موثر اور بے نتیجہ تدبیر ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ کوئی ایسا طویل وقفہ مقرر کیا جائے جس میں کوئی چیز استعمال نہ ہو۔ یہ طریقہ زیادہ حسی، زیادہ موثر اور قوتِ بہیمیہ کو زیادہ کمزور کرنے والا ہے، یہ وقفہ دین کی اصطلاح میں "صوم" یا روزہ ہے، جس کے خاص احکام و شرائط ہیں، جو بہت گہرے تشریعی اور نفسیاتی اسرار پر مشتمل اور حِکَم و مصالح پر مبنی ہیں۔

۱- روزہ صبح صادق سے شروع ہو کر غروبِ آفتاب تک رہتا ہے، اگر یہ وقفہ پورے دن سے کم ہوتا، تو اس کا کوئی خاص اثر شعور و طبیعت پر نہ پڑتا۔ زندگی میں ایسے اتفاق ہوتے رہتے ہیں کہ کئی وقت کا کھانا ناغہ ہو جاتا ہے، اگر محض یہی ہو کہ دن میں صرف چند گھنٹوں کا روزہ رکھا جائے، تو اس کا کوئی خاص احساس اور اصلاحی اثر نہ پڑے گا۔ اور بہت سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اپنے حساب سے ایک روز ذرا دیر سے کھانا کھایا۔

۲- یہ روزے رمضان کے تیس یا انتیس دن رکھے جاتے ہیں، اس لیے کہ ایسے وقفے مسلسل ہوں، تاکہ ان کے نقوش دیرپا ہوں۔ ایک طویل وقفے سے یہ بہت زیادہ مفید ہے کہ متواتر متعدد و متوسط درجے کے وقفے ہوں۔

۳- ان وقفوں کی تعداد کا تعین بھی ضروری ہے کہ اس کو مبہم اور غیر متعین چھوڑ دینے سے افراط و تفریط کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ بہت تھوڑے روزے رکھتے اور بہت سے لوگ بہت زیادہ روزے رکھتے۔ اور پھر جب یہ عالمگیر فریضہ ہے، اور تشریع عام مقصود ہے، تو

اس میں انتخاب کا حق نہیں رہنا چاہیے تھا، کہ جو شخص جس مہینے میں چاہے روزے رکھے۔ اس سے عام طور پر حیلہ جوئی، عذر اور بے عملی کا دروازہ کھلتا ہے اور گریز کی راہ پیدا ہو جاتی ہے۔ احتساب اور باز پرس کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ وعظ و نصیحت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، جس شخص سے بھی کسی وقت اس بارے میں گفتگو کی جائے، وہ یہ کہہ کر منہ بند کر سکتا ہے کہ میرا معمول فلاں مہینہ میں ہے، اور اس کا کوئی جواب نہیں، اور اس طرح رفتہ رفتہ اس چیز کا رواج مٹ جائے گا۔

۴- ایک ہی وقت میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں کے روزہ رکھنے میں بڑی حکمت ہے۔ مسلمانوں کی بڑی جماعت کا فریضۂ صیام کو اہتمام کے ساتھ ایک وقت میں ادا کرنا، کمزور طبیعت والوں کے لیے بھی ہمت افزا، شوق انگیز اور فریضہ کی ادائیگی میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ایک عالم گیر روحانی ماحول اور ایک عمومی دینی فضا پیدا ہو جاتی ہے، جو قلوب و ارواح کے لیے موسم بہار کی سی تاثیر رکھتی ہے، جس میں تھوڑی توجہ سے ہر چیز میں نشو و نما پیدا ہونے لگتا ہے۔ مسلمانوں کے اس روحانی فریضہ میں مشغول ہونے سے ملکوتی انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور عوام کے آئینۂ دل پر انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔ مسلمان عالم کے جس گوشے میں بھی ہو، اس کو روزہ دارانہ فضا معلوم ہوتی ہے، جو اس سے خود ہی تقاضا کرتی ہے کہ وہ بھی روزہ دار ہو۔ مسلمان روزہ شکنی کر کے اپنے کو اس ماحول میں اجنبی اور ایک طرح کا مجرم سمجھتا ہے۔

۵- ان تمام حکمتوں کی بنا پر سال میں ایک پورا مہینہ روزہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ دوسری خصوصیات کے علاوہ، جن کا ہمیں علم نہیں، رمضان کی تخصیص کی ایک کھلی وجہ یہ ہے کہ اس ماہ مبارک میں نزول قرآن کا سلسلہ شروع ہوا، اور روزہ اور قرآن میں خاص مناسبت ہے۔ قرآن چونکہ عالم غیب اور اور عالم روحانیت کی چیز ہے اور روزہ عالم مادی سے بہت حد تک آزادی، قلب و روح میں لطافت، اور عالم غیب اور عالم روح سے ایک طرح کی مناسبت پیدا کر دیتا ہے، روزہ دار پر خدا کی صفات کا ایک پرتو اور اس کی شان صمدیت کا ایک اثر پیدا ہو جاتا ہے؛ اس لیے قرآن کے دل میں بسنے، اور روح میں پیوست ہونے کا خاص موقع ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کے حصے کو مختلف طریقوں سے روزہ میں زیادہ سے زیادہ

داخل کیا گیا، اور یہی تراویح کی حکمت ہے۔

٦- روزہ زندگی میں ایک ایسا محسوس فرق اور امتیاز پیدا کر دیتا ہے کہ بے حس سے بے حس انسان کو بھی اپنے سابقہ طرز زندگی، غفلت شعاری، اور دنیاوی انہماک میں تخفیف کا طبعی تقاضا پیدا ہو جاتا ہے۔ رمضان ایک مہمیز کا کام دیتا ہے، جو سوئی ہوئی طبیعتوں کو جگانے، بجھے ہوئے دلوں کو گرمانے، آتشِ محبت کو بھڑکانے اور دبی چنگاریوں کو ابھارنے کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی فطرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تنوع اور اختلاف کو انسان کے بیدار اور ہوشیار کرنے اور اس کی کند طبیعت کو تیز کر دینے میں بڑا دخل ہے۔ رات دن کے اختلاف کو، انسان کی جسمانی روحانی تازگی میں خاص دخل ہے، قرآن کہتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾

(سورۃ الفرقان: ٦٢)

(وہ وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین، واسطے اس کے جو سوچے اور شکر گزاری کا ارادہ کرے۔)

دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۹۰- ۱۹۱)

(بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اختلاف لیل ونہار میں نشانیاں ہیں، ان اہل عقل ودانش کے لیے، جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے۔)

جس طرح سے کہ مادی طور پر رات دن کا اختلاف، ہر نئی صبح کا طلوع: انسان میں ایک شعور، ایک نئی آمادگی اور خالق کی طرف توجہ پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح روحانی طور پر رمضان کی سالانہ آمد، مسلمانوں کی بستیوں اور آبادیوں میں روحانیت کا احساس، دینی بیداری، اپنی کوتاہیوں پر ندامت، مجرموں میں اپنے جرائم پر ندامت اور خدا کی طرف ایک توجہ اور انابت پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر مادیت نے قلب کو بالکل بے حس نہیں بنا دیا ہے تو صدہا آدمیوں کو توبہ اور اصلاح کی توفیق ہو جاتی ہے۔ رمضان سالانہ احتساب اور اپنی سابق

زندگی کا جائزہ لینے کا ایک بہترین موقع ہے۔ ہر شخص آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ اس نے گذشتہ رمضان سے اس رمضان تک کیسی زندگی گزاری ہے اور اس نے دینی حیثیت سے کہاں تک ترقی کی ہے؟

۷- رمضان ہر سال ہر شخص کو اپنی سطح سے ترقی دینے کے لیے آتا ہے، جو شخص جس سطح تک پہنچ گیا ہے، خواہ وہ سطح کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو، اس سے بلند کرنے کی طاقت اس میں موجود ہے۔ ہر شخص عمل، روحانیت، ذکر و عبادت، تعلق باللہ، اخلاص، جفاکشی و مجاہدہ، زہد و قناعت، ایثار، غمخواری اور مواساۃ کی جس منزل و مقام پر بھی ہے، ہر نیا رمضان اس کو اس سے آگے بڑھانے کے لیے اور زیادہ بلند منزل کا شوق دلانے کے لیے آتا ہے۔ رمضان کی ساخت، رمضان کا نظام، رمضان کے اجزاء، رمضان کے مشاغل اور رمضان کا ماحول ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنے کو ترقی دینے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ مادی موانع تقریباً دور ہو جاتے ہیں۔ ذکر و عبادت میں جذبۂ مسابقت پیدا ہوتا ہے۔ اچھے دینداروں اور روزہ داروں کا ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور مطالعہ کا زیادہ سے زیادہ موقع ملتا ہے۔ قلب و روح میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ غرض وہ سارے مواقع بہم پہنچ جاتے ہیں، جو انسان کی روحانی ترقی اور اصلاح کے لیے ضروری اور مفید ہیں، اور ہر شخص کو اپنی سطح کے مطابق ترقی ہوتی ہے۔

۸- رمضان کے روزہ کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت الٰہی کا ایک کھلا ہوا مظہر ہے۔ اس سے بڑھ کر اطاعت کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ نعمتوں کی موجودگی میں، اور ہر چیز کے استعمال کی قدرت کے باوجود، محض امتثال حکم کے لیے آدمی اپنے ہونٹوں پر قفل لگا لیتا ہے، یہ قفل اللہ کے حکم ہی سے کھلتا ہے اور اللہ کے حکم سے لگتا ہے، جب نہ کھانے کا حکم ہوا اس وقت کھانا گناہ، اور جب کھانے کا حکم ہو جائے تو اس وقت تعمیل ارشاد میں دیر کرنا غلطی ہے۔ اسی لیے آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد افطار کرنے میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

۹- روزہ میں جب وہ چیزیں بھی ممنوع ہو جاتی ہیں جو روزہ کے علاوہ ہمیشہ سے حلال و طیب ہیں، اور روزہ کے بعد ہمیشہ حلال و طیب رہیں گی، تو وہ چیزیں کیسے ممنوع نہ ہوں گی جو روزہ سے پہلے بھی حرام اور ممنوع تھیں اور روزہ کے بعد بھی حرام اور ممنوع ہوں گی، یعنی

غیبت، لڑائی جھگڑا، گالی گلوچ، بے حیائی، جھوٹ۔ روزہ کی روح یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب اور نفرت پیدا ہو، اور روزہ کے درمیان میں ان سے مکمل اجتناب ہو۔ اگر صرف نہ کھانے پینے سے روزہ رہا اور تقوی نہ پیدا ہوا، تو ایک بے روح روزہ ہے، جو صرف ڈھانچہ ہے، اس میں روح نہیں، اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے: (مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ۔)

(ترجمہ: جس نے (روزہ میں) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا، تو اللہ کو اس بات کی بالکل ضرورت نہیں کہ آدمی اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔)[۱] [۲]

---

(۱) رواه أبو داود في سننه، حديث رقم: ٢٣٦٢۔

(۲) یہ اہم مقالہ جس میں "حجة الله البالغة" سے خاص طور سے استفادہ کیا گیا ہے، ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ (بابت شعبان ۱۳۷۱ھ) میں شائع ہوا۔

رمضان کا استقبال۔قرنِ اوّل میں (۱)

میرے دوستو! تمہیں نیا رمضان مبارک! اور خدا کی طرف سے تم پر پاک و بابرکت سلام! تمہاری یہ فرمائش گویا میرے دل کی خواہش ہے۔ پتہ نہیں کیوں خود میرا جی کچھ بات کرنے کو چاہ رہا تھا، اور ایک تقاضا تھا جو مجھے بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے تجویز کردہ عنوان سے بہتر اور محبوب عنوانِ گفتگو میرے لیے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔

سنہ ہجری کے دوسرے سال میں میرا آنا، پہلے سالوں سے یکسر مختلف تھا، پہلے میں سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ تھا، اپنے دوسرے بھائیوں اور رفیقوں سے کسی قسم کا امتیاز مجھے حاصل نہیں تھا، نہ کوئی خاص بات میرے اندر تھی، نہ کسی پیغام کا میں حامل تھا، اور نہ دین کے ارکان سے کوئی رکن مجھ سے متعلق تھا۔ رجب، ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم پر مجھے حسد۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ رشک ہوتا تھا، کیوں کہ یہ أَشْهُرِ حُرُمٌ (محترم مہینے) تھے، اور ان میں سے ذی الحجہ پر مجھے ایک اور خاص وجہ سے رشک آتا تھا، وہ یہ کہ وہ حج کا مہینہ تھا۔ مجھے وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھے کبھی اتنا بڑا اعزاز بخشا جائے گا، اور روزہ جیسا اہم اور مقدس پیغام کا مجھے حامل بنایا جائے گا، لیکن یہ روزہ اللہ کا فضل ہے، اور وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ بہر حال، اب سنیے!

مسلمانوں نے شعبان سے میرا انتظار کرنا شروع کیا، انھوں نے شعبان کا بھی ایک مقدمۃ الجیش اور میرے مبشر کی طرح استقبال کیا، شعبان ہی میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: (أَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ

---

(۱) آل انڈیا ریڈیو سے نشر کی گئی ایک عربی تقریر کا ترجمہ بقلم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، جس میں حضرت مولانا نے اپنی بات رمضان کی زبان سے کہی تھی اور سامعین کو رمضان کا مخاطب بنایا تھا تاکہ ایک مخصوص تاثر پیدا ہو سکے۔

رَمَضَانُ، شَهْرٌ عَظِيْمٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعاً، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤمِنِ۔ (۱)

”اے لوگو! رمضان کا مہینہ تم پر سایہ فگن ہو رہا ہے، بڑا عظیم الشان مہینہ ہے، اس میں ایک رات ایسی ہے، جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ نے اس مہینہ کے روزے فرض کیے ہیں، اور رات کے قیام (تراویح) کو نفلی عبادت ٹھہرایا ہے۔ جو شخص اس ماہ میں ایک نفلی نیکی کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے فرض کے برابر ہوگا، اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا، اس کا ثواب اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ غم خواری اور غم گساری کا مہینہ ہے، اس میں مومن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے۔“

تمام لوگ میرا چاند دیکھنے کے لیے بلند ٹیلوں اور مکانوں پر چڑھ گئے، غروب آفتاب کے بعد مدینہ میں کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا، جو آسمان کی طرف نظر اٹھائے میری جستجو نہ کررہا ہو، ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ سب سے پہلے وہ میری آمد کا مژدہ سنائے۔

پروردگار عالم نے ارادہ فرمایا کہ مجھے اب مزید تاخیر نہ ہو، لہٰذا اس کی طرف سے حکم طلوع ہوا، اور مدینہ کے اس سرے سے اس سرے تک ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی، لوگوں کی زبانوں پر ایک نغمہ مسرت جاری ہوا:

هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، اَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى!

سامعین کرام! مجھے اس کہنے میں معاف رکھیں کہ ابتدائے اسلام میں لوگوں کو میری آمد سے جو مسرت ہوتی تھی، حالانکہ میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، صبر و جہاد کا مہینہ تھا، وہ اس مسرت سے بڑھ کر ہوتی تھی جو آج عید کا چاند دیکھ کر ہوتی ہے۔ میں اس کے اسباب میں نہیں جاؤں گا، کیوں کہ یہ ایک طویل بات ہے، اور ویسے بھی آپ کو کڑوی لگے گی۔

(۱) رواه السيوطي في جامع الأحاديث وأخرج البيهقي نحوه في شعب الإيمان ص:۳/۳۰۵، حديث رقم:۳۶۰۸

(میری آمد سے) مدینہ کے لوگوں میں ایک نئی زندگی اور ایک نیا نشاط عبادت ابھر آیا، یہ لوگ عشا کے بعد ایک ایک، دو دو اور ٹکڑیاں ٹکڑیاں ہو کر نوافل میں مشغول ہو گئے۔ قرآن کی تلاوت کرتے اور نمازیں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ جب رات آخر ہوئی اور سحر قریب ہوئی، تو رات کی باسی روٹی یا کھجور اور پانی میں سے، جس کو جو میسر آیا، اس نے اس سے سحری کھائی، پھر مساجد کی راہ لی، اور نماز فجر ادا کی۔

یہی وہ مقام ہے، جہاں وہ لوگ آج کل کے روزہ داروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں۔ آج اگر آپ میں سے کوئی، رات کو تھوڑی دیر عبادت کر لیتا ہے، اور پھر روزہ کی نیت کر لیتا ہے، تو وہ اپنا حق سمجھتا ہے کہ دن میں جتنا چاہے سوئے، چنانچہ آج شہر میں بہت کم ایسے روزے دار ملیں گے جو (روزہ رکھ کر) صبح ہی صبح اپنی دوکان یا ڈیوٹی پر جاتے ہوں، اور کم ایسے روزے دار ملیں گے جو سوتے یا اونگھتے نظر نہ آتے ہوں، رات کو خواہ کتنا ہی تھوڑا قیام کریں، مگر اس کے بدلے میں دن کا ایک خاصا حصہ ضرور نیند کی نذر کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس صحابہ وتابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا حال یہ تھا کہ رات کا قیام، ان کے دن کے نشاط میں کوئی فرق نہیں ڈالتا تھا، وہ رمضان میں عبادت بھی کرتے تھے اور مشقتِ حیات بھی برداشت کرتے تھے، اور کبھی تو روزے کی حالت میں جہاد بھی کرتے تھے، ان کے زمانہ میں رمضان اشیاء کی طبائع نہیں بدلتا تھا اور نہ دن کو رات بناتا تھا۔ وہ الٹے ان میں قوت اور نشاط کا ربڑھا دیتا تھا اور کوئی وہ نیکی، جس کو لوگ پہلے سے کرتے تھے، رمضان کی آمد سے منقطع نہیں ہوتی تھی، میں آکر اہل مدینہ کے اخلاق میں کوئی فرق نہیں پاتا تھا، مثلاً انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد سے غیبت، فحش کلامی، اور بدگوئی سے زندگی بھر کا روزہ رکھ لیا تھا، تو وہ روزوں میں بھی پاک زبان، پاک نفس اور پاک باطن رہتے تھے۔ ہاں! اگر فرق ہوتا تھا تو یہ ہوتا تھا کہ وہ ان دنوں میں جائز غصے کو بھی ضبط کرتے تھے، اگر ان میں سے کسی کو کوئی شخص گالی دیتا یا لڑنے کی باتیں کرتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ: ''میں روزہ دار ہوں۔''

میری آمد پر وہ لوگ نیکی اور غم خواری کے بے حد حریص ہو گئے، یوں سمجھیے کہ ہوا سے مقابلہ کرتے تھے، ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ تھا، ''کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ "(۱)۔ "جب رمضان آتا تو آنحضرت ﷺ امورِ خیر میں آندھی سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوجاتے تھے۔"

روزہ دار کو افطار کرانے، غلاموں کو آزاد کرانے، ستم رسیدوں کی امداد کرنے اور بھوکوں کو کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے فقراء ومساکین میری آمد کے منتظر رہتے تھے۔

لوگوں نے اپنے مشاغل میں روزہ گزارا، لیکن اللہ سے غافل نہیں ہوئے، اور نہ بیع و تجارت نے ان کو اللہ کی یاد اور جماعتوں کی حاضری سے غافل کیا، شام کو گھر لوٹے اور ذکر وتلاوت میں مشغول ہوگئے۔ مساجد کا حال اس وقت یہ ہوجاتا تھا کہ اگر تم جاؤ، تو ذکر کی بھنبھناہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سن پاؤ۔

آفتاب غروب ہوا، مؤذّن نے اذان دی اور میں نے دیکھا کہ سید الاولین والآخرین ﷺ نے ایک چھوہارے اور کچھ پانی سے افطار فرمایا، اور پھر اس پر اتنا شکر، کہ انواع واقسام کی افطاریوں پر بھی لوگوں کو یہ مقام شکر نصیب نہیں ہوسکتا، سنئے! حضور ﷺ فرما رہے ہیں:

"ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ"۔

"تشنگی دور ہوئی، رگیں تر ہوئیں، اور اللہ نے چاہا تو اجر واجب ہوگیا۔"

آپ کے اصحاب نے بھی اسی طرح چند کھجوروں اور پانی کے چند گھونٹوں سے روزہ کھولا، اور اللہ کی حمد کی، پھر نماز پڑھی، اور جو کچھ اللہ نے عنایت فرمایا، صرف بقدر ضرورت کھالیا، نہ اس میں اسراف ہوتا تھا اور نہ ناک تک پیٹ بھرتا تھا۔

مہینہ بھر ان کا یہی معمول رہتا تھا، نہ اس میں کوئی فرق آتا تھا، اور نہ وہ اس سے اکتاتے اور برداشتہ خاطر ہوتے، بلکہ ہر دن نشاط کی ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی، اور عبادت و نیکی کی حرص بڑھتی تھی، گویا روزوں سے ان کی روح کو غذا ملتی تھی، اور مہینے کے آخر میں ان کی قوت اور ان کا نشاط پہلے سے بھی بڑھا ہوا نظر آتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی ایک مسلسل نشاط اور ذوق عمل سے مخمور رہتے تھے، یہاں تک کہ

---

(۱) رواه البخاري في الأدب المفرد، باب حسن الخلق إذا فقهوا۔ حديث رقم: ۲۹۲

جب آخری عشرہ آتا، تو بالکل ہی کمر کس لیتے تھے، رات عبادت میں گزارتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے اور پھر اعتکاف فرمالیتے تھے۔

میں جب اس دورِ سعادت کے روزہ داروں کا بعد کے روزہ داروں سے مقابلہ کرتا ہوں، تو صورت وشکل میں تو کوئی فرق نظر نہیں آتا، بلکہ بعض بعد والے زیادہ نفل پڑھتے اور زیادہ وقت تلاوت کرتے نظر آتے ہیں، مگر خشوع واخلاص اور ایمان واحتساب کی کیفیات میں کھلا فرق محسوس کرتا ہوں، اگر سابقین کی ایک رکعت کا وزن کیا جائے، تو بعد والوں کی بہت سی رکعتوں پر بھاری نکلے گی، کہ وہ اپنے ایمان واحتساب میں بھاری تھے۔

اور دوسرا فرق، جو میں بتلا سکتا ہوں، یہ ہے کہ ان پر روزہ اپنے بہت گہرے اخلاقی اور نفسیاتی اثرات چھوڑ کر جاتا تھا، یوں کہیے کہ ان کی طبیعتوں پر روزہ کی ایک نہ مٹنے والی چھاپ پڑ جاتی تھی، اور اگلے سال جب میں پھر لوٹ کر آتا، تو ان میں وہی عفت، وہی تقوی، وہی صدق وامانت، وہی رقت، وہی کریم النفسی، وہی حرصِ اطاعت، وہی لذاتِ نفس سے نفرت، وہی آخرت کی فکر اور وہی دنیا سے بے رغبتی پاتا۔ الغرض ہر دوسری مرتبہ، وہ مجھے پہلے سے زیادہ پاک باطن وصاف دل ملتے تھے۔

قصہ مختصر! جب میرا وقت ختم ہو گیا اور روانگی کا دن آیا، تو انہوں نے مجھے ایک بہت ہی پیارے دوست کی طرح رخصت کیا۔ آنسو کسی طرح تھمتے نہ تھے، اور آہیں قرار پاتی نہ تھیں، لبوں پر یہ دعا تھی کہ خدایا! یہ ملاقات آخری نہ ہو! یہ دن اس کے بعد بھی بار بار آئیں۔ یہ ہے خیر القرون میں میرے استقبال کی ایک ہلکی سی تصویر! (۱)

---

(۱) ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ (شمارہ اپریل ۱۹۵۷ء) وہفت روزہ "ندائے ملت" لکھنؤ (شمارہ ۲۵ / جنوری ۱۹۶۳ء)۔

عارفین وصالحین کے یہاں رمضان کا استقبال واہتمام

رمضان المبارک نزول قرآن کی سالگرہ، رحمتوں اور برکات وتجلیات کا مہینہ، طاعات وعبادات کی بہار کا زمانہ، اور روحانیت کا جشن عام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ رمضان مبارک میں اعمال خیر کے بارے میں تیز ہوا آندھی سے بھی آگے رہتے تھے'' (بخاری ومسلم)، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو آپ ﷺ پوری رات بیدار رہتے، گھر والوں کو بیدار فرماتے، اور عبادات اور نوافل کے لیے کمر کس لیتے'' (ایضاً)۔ عارفین عشاق اور عالی ہمت خاصان خدا کی بھی دلی مراد برآنے کا وہ موسم اوران کا محبوب ترین مہینہ ہے، جس کے لیے وہ سال بھر دن گنتے رہتے ہیں۔ اولیائے متقدمین کا ذکر نہیں، بعض قریب العہد بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ عید کا چاند دیکھتے ہی آنے والے رمضان کا انتظار شروع ہوجاتا تھا(۱)، رمضان المبارک آتے ہی ان میں ایک نیا جوش وولولہ، اور ایک نئی نشاط وامنگ پیدا ہوجاتی تھی، اور وہ بھی زبان حال سے یوں گویا ہوتے تھے

هٰذَا الَّذِي كَانَتِ الْأَيَّامُ تَنْتَظِرُ　　فَلْيُوفِ لِلّٰهِ أَقْوَامٌ بِمَا نَذَرُوا

(۱) ایک معاصر مؤرخ دور اخیر کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید شاہ ضیاء النبی حسنی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۲۶ھ) کے متعلق لکھتے ہیں: ''آمد رمضان سے اتنے خوش ہوتے ہیں کہ چھ مہینے پہلے سے ذکر کیا کرتے ہیں کہ اب رمضان آتا ہے، اتنے مہینے باقی ہیں، اور اتنا ہی اس کے جانے سے محزون ہوتے ہیں'' مَنْ فَرِحَ بِدُخُولِهِ وَلَهِفَ بِخُرُوجِهِ'' کے سچے مصداق آپ ہی ہیں۔'' (ح)

(یہ وہ دولت ہے جس کا زمانہ کو انتظار تھا، اب وقت آگیا ہے کہ نذر ماننے والے اپنی نذریں پوری کریں۔)

اور کبھی کیف وسرور میں آکر یوں گنگنانے لگتے تھے۔

پلا ساقیا وہ مئے دل فروز
کہ آتی نہیں فصل گل روز روز

رمضان المبارک کے آتے ہی دینی وروحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی، ان لوگوں کے علاوہ جو وہاں مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے تھے، شیخ ومرشد سے بیعت وعقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھنچ کھنچ کر آجاتے تھے، جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف، اور پروانے شمع کی طرف آجاتے ہیں۔ یہ روحانی مرکز ذکر وتلاوت، اور نوافل وعبادات سے اس طرح معمور ہوجاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام، اور رمضان کے بعد پھر کوئی رمضان آنے والا نہیں، ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا، اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں، اپنی زندگی کا آخری دن سمجھتا، اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور عملی تفسیر بن جاتا۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اس ماحول میں آجاتا، وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتا، افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی، بلکہ سرگرمی، پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی، بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہوجاتی۔ بجلی کا ایک کرنٹ تھا، جو دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا، اور مردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کردیتا۔ جو شخص اس روحانی و ملکوتی فضا کو دیکھتا، اس کا قلب شہادت دیتا کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے، اور دین وروحانیت کی شمع کے پروانوں کا ہجوم ہے، اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہوکر، خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لیے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں، دنیا تباہ نہ ہوگی، اور زندگی کی اس بساط کو تہہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت وہ

بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہو جاتا تھا۔

از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است (۱)

دہلی اور اس کے اطراف میں رمضان کی بہار

افسوس ہے کہ آٹھویں صدی میں سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ غیاث پور (دہلی) اور تیرہویں صدی میں حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''خانقاہ مظہریہ'' واقع چتلی قبر (دہلی) کے رمضان المبارک کا آنکھوں دیکھا حال کسی مؤرخ نے نہیں لکھا، اور وہاں ذکر و تلاوت کی سرگرمی، شب بیداری، اور وہاں کا نظام الاوقات کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں ملتا، لیکن ''فوائد الفواد''، ''سیرالأولیاء'' اور ''دُرّ المعارف'' میں اس کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ جو شخص ان خانقاہوں کے شب و روز، اور ان مشائخ کے ذوق و شوق اور ساز و سوز سے واقف ہے، وہ ان نقطوں سے پوری تحریر اور ان نامکمل خطوط سے پوری تصویر تیار کر سکتا ہے کہ۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

لیکن جن خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کے حصے میں ان خانقاہوں کی وراثت، اور جن علما و مشائخ کے حصے میں ان بزرگانِ سلف اور مشائخ پیشین کی نیابت و خلافت آئی، انہوں نے ان مناظر کو تازہ اور زندہ کر دیا، اور تاریخ نے ان کے عہد میں اپنے آپ کو دہرا دیا۔

وہ لوگ تو خال خال ہوں گے، جنہوں نے گنگوہ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں رمضان کی بہار دیکھی ہے، لیکن وہ لوگ بکثرت موجود ہیں جنہوں نے گنگوہ کے دور کے بعد شیخ وقت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں رائے پور میں، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ

(۱) ترجمہ: اپنے مرشد کی سو باتوں میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے کہ عالم اس وقت تک ویران نہیں ہوگا جب تک کہ میکدہ قائم ہے، یعنی میکدۂ معرفت قائم ہے۔

علیہ کے دور میں تھانہ بھون میں رمضان کی بہار دیکھی۔ اور جس وقت وہ اس زمانے کو یاد کرتے ہیں، ان کے دل پر ایک چوٹ لگتی ہے۔ (۱)

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور رمضان کا اہتمام

ہمارے علم میں اس اخیر دور میں جس نے اسلاف کی اس سنت دیرینہ کو زندہ کیا، اور اس کو نئی آب وتاب بخشی، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات تھی، انہوں نے اپنے مخصوص طالبین ومخلصین کی درخواست پر کسی ایک جگہ قیام کرکے رمضان المبارک کے گزارنے کا معمول بنالیا، اور اطراف واکناف، بلکہ ملک کے دور دراز گوشوں سے، متوسلین اور ارادت مند پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ حضرت نے ایک عرصہ تک سلہٹ میں رمضان المبارک گزارا پھر کئی سال بانس کنڈی (بنگال) میں رمضان گزارا، ایک دو سال اپنے وطن مالوف ''الہ داد پورہ'' متصل ٹانڈہ ضلع فیض آباد، خاص اپنے دولت خانہ پر رمضان المبارک گزارا، ان سب مقامات پر سیکڑوں کی تعداد میں مریدین وخدام، اور اس ماہ مبارک کے قدرداں جمع ہوتے، جو آپ کے مہمان ہوتے، آپ ہی ان مقامات پر قرآن شریف سناتے، لوگ ذکر وشغل، تلاوت وعبادات میں پوری سرگرمی وعالی ہمتی سے مشغول رہتے، خدام کو بڑی کیفیات وترقیات محسوس ہوتیں، اور وہ عرصہ تک مزے لے لے کر ان پرکیف وپرسرور ساعتوں کا ذکر کرتے۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی، تو غالباً ''الہ داد پورہ'' میں یہ مبارک سلسلہ جاری رہتا، اور خدا جانے کتنے بندگان خدا اپنی مراد کو پہنچتے، اور تربیت وتکمیل کے مدارج سے گزرتے؛ لیکن مولانا کی وفات (یوم جمعرات ۱۳؍ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۵؍ دسمبر ۱۹۵۷ء) نے اس سلسلہ کو منقطع کردیا، اور لوگ کف افسوس ملتے رہ گئے۔ (۲)

---

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے دور میں رمضان میں چار سو- پانچ سو سے زیادہ کا مجمع ہوتا تھا۔ آپ بیتی از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ۔ (ح)

(۲) ماخوذ از ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ''، مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، شائع کردہ مکتبۂ اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۲۲تا۱۲۶۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور رمضان کا اہتمام

مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی رمضان کا غیر معمولی اہتمام تھا۔ رمضان مبارک میں خاص بہار ہوتی، لوگ بہت پہلے سے اس کے منتظر ہوتے اور تیاریاں کرتے، ملازمین چھٹیاں لے کر آتے، مدارس دینیہ کے اساتذہ اس موقع کو غنیمت جان کر اہتمام سے آتے، علما وحفاظ کی خاصی تعداد جمع ہوجاتی، تقسیم سے پہلے مشرقی پنجاب کے اہل تعلق وخدام اور وہاں کے مدارس کے علماء کی تعداد غالب ہوتی، شعبان کی آخری تاریخوں میں رمضان گزارنے کے لیے رائے پور آجاتے، اور پھر یکسوئی و انہماک کے ساتھ، دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوکر، دنیا سے الگ تھلگ اس گاؤں میں، جس کو شہر سے ملانے والی کوئی پختہ سڑک بھی نہیں، اور نہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے، اس مبارک مہینہ کو وصول کرنے میں مشغول ہوجاتے، اور عید کی نماز پڑھ کر ہی یہاں سے تشریف لے جاتے۔ اہل رائے پور اور اطراف کے اہل تعلق اولوالعزمی اور عالی ہمتی سے مہمانوں اور مقیمین خانقاہ کے افطار، طعام وسحر کا انتظام کرتے، رمضان مبارک میں اپنے شیخ کی اتباع میں مجلسیں سب ختم ہوجاتیں، باتوں کے لیے کوئی خاص وقت نہ تھا، ڈاک بھی بند رہتی، تخلیہ نماز کے وقت کے علاوہ تقریباً ۲۴ گھنٹے کسی ایسے شخص کے آنے سے گرانی ہوتی جس کے لیے وقت صرف کرنا پڑتا، افطار علالت سے پیشتر مجمع کے ساتھ ہوتا، جس میں کھجور اور زمزم کا خاص اہتمام ہوتا، مغرب کے متصل کھانا علالت سے پہلے مجمع کے ساتھ، اس کے بعد چائے عشاء کی اذان تک، یہی وقت ۲۴ گھنٹے میں مجلس کا تھا، اذان کے بعد نماز کی تیاری، اس درمیان میں حضرات علماء، جن کا مجمع اگلی صف میں رہتا، بعض اہم اہم سوالات کرتے اور حضرت ان کا جواب دیتے، عشاء کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ کبھی نشست اور کبھی لیٹ جاتے، خدام بدن دبانا شروع کرتے، مسجد وخانقاہ میں تراویح ہوتی، مسجد میں بھی قرآن مجید ہوتا اور خانقاہ میں بھی۔

یوں تو حفاظ کی کثرت ہوتی، مگر حضرت اچھے پڑھنے والے بہتر حافظ کو پسند کرتے، حضرت نے ایک سال ۱۹۵۳ء میں منصوری پر رمضان مبارک کیا، ۵۰-۶۰ خدام ساتھ تھے، مولوی عبدالمنان صاحب نے قرآن مجید سنایا، تراویح کے بعد حضرت کے تشریف رکھنے اور

مجلس کا معمول تھا، طبیعت میں بڑی شگفتگی اور انبساط تھا، متعدد رات بیدار اور مشغول رہتے، غرض دن اور رات ایک کیف محسوس ہوتا تھا، ضعفاء و کم ہمت بھی سمجھتے تھے کہ:

ے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

رائے پور کے علاوہ بہٹ ہاؤس (سہارن پور) صوفی عبدالحمید صاحب (سابق وزیر پنجاب) کی کوٹھی واقع جیل روڈ (لاہور)، گھوڑا گلی، کوہ مری، پاکستان، اور مسجد خالصہ کالج (لائلپور) میں بھی اس دھوم کے ساتھ رمضان گزرے، کہ کئی کئی سو خدام اور اہل تعلق کا مجمع تھا، اور ذکر و تلاوت اور مجاہدہ کا زور شور۔ (۱)

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور رمضان المبارک کا اہتمام

اس سنت کا تسلسل و استمرار، بلکہ اس کی ترقی و توسیع، اس شخصیت کے حصہ میں آئی، جس کے ہاتھوں سے اپنے اسلاف و شیوخ اور اساتذہ و مربیوں کے بہت سے کارناموں کی حفاظت، بہت سی تصنیفات کی اشاعت اور بہت سی ناتمام چیزوں کی تکمیل مقدر ہو چکی تھی۔ یوں تو رمضان کا اہتمام، اس میں تلاوت و عبادت کا انہماک، انقطاع و یکسوئی، اہل قلوب اور اہل معرفت کا ہر دور میں خصوصی شعار رہا ہے، لیکن شیخ کے یہاں اس بارے میں رمضان کی مشغولیت اور یکسوئی اور انقطاع کی جو کیفیت نظر آتی تھی، اس کے سمجھنے کے لیے ایک واقعہ جو لطیفہ کی حیثیت رکھتا ہے، مدد دے گا۔

شیخ کے یہاں رمضان میں ملاقات تو ملاقات، بات کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی، اور جب کہ روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے اور احتیاطاً کچھ زیادہ پڑھنے کا معمول تھا، (کہ مبادا انتیس کا چاند ہو جائے) (۲)، تو یوں بھی تواضع اور خاطر داری میں گفتگو و ملاقات کی

---

(۱) ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ'' (ص: ۱۴۳ تا ۱۴۵) اور ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ'' (ص: ۱۲۶-۱۲۷) سے مشترک طور پر ماخوذ۔

(۲) شیخ کی آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳۸ھ کے ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا، جو تقریباً ۱۳۸۰ھ تک رہا، بلکہ اس کے بھی کچھ بعد تک (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ بیتی از حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ)۔ (ح)

فرصت ملنی مشکل تھی، حکیم طیب صاحب رام پوری مرحوم کے حضرت شیخ سے خاندانی تعلقات وعزیز داری تھی، اور حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے تعلق کی بناء پر، جو اس سلسلہ کے مشائخ میں تھے، حضرت شیخ اور اس سلسلہ کے سب بزرگ ان کا خاص لحاظ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ رمضان المبارک میں شیخ کے یہاں آگئے، جب بھی انہوں نے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا تو خدام نے کہا کہ یہ وقت حضرت شیخ کی مصروفیت کا ہے، اس وقت بات کرنے کی فرصت نہیں، جب ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے شیخ سے کہا: "بھائی جی! السلام علیکم، بات نہیں کرتا، صرف ایک فقرہ کہوں گا، رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخاری کی طرح کبھی نہیں آتا، السلام علیکم جارہا ہوں"۔ (۱)

رمضان المبارک میں شیخ کا نظام الاوقات بہت بدل جاتا، سرگرمی، جفاکشی، بلند ہمتی، ذوق عبادت وتلاوت اور یکسوئی وانقطاع اپنے نقطۂ عروج پر ہوتا۔

راقم السطور کو ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۶ء میں ایک مرتبہ پورا رمضان ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نظام الدین میں قیام تھا، اور شیخ کی خصوصی شفقت وتعلق کی وجہ سے، بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ پورے مہینہ کا اعتکاف تھا، روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرنے کا التزام تھا، قدرے اضافہ کے ساتھ، (تاکہ اگر ۲۹/ کا چاند ہو جائے تو تیس قرآن مجید ختم کرنے کے معمول میں فرق نہ آئے) نظام الاوقات یہ رہتا تھا کہ افطار صرف ایک مدنی کھجور سے، پھر ایک پیالی چائے اور ایک بیڑہ پان۔ نماز مغرب کے بعد اوابین شروع فرمادیتے، جس میں کئی پارے پڑھتے، اوابین سے فراغت کے بعد، اور عشاء کی نماز سے پیشتر ایک خصوصی مجلس ہوتی، جس میں خاص عزیز وخدام شریک رہتے، عشاء اور تراویح کے بعد پھر مجلس ہوتی، جس میں ہلکی سے افطاری عموماً امرود یا کیلا کا کچالو یا کچھ پھلکیاں بڑے وغیرہ، لیکن قلیل مقدار میں، کھانے کا اس وقت بھی ذکر نہیں۔ یہ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے، اس لیے تراویح میں بہت دیر ہو جاتی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مجلس میں بیٹھ کر حاضرین مجلس تو آرام کرنے چلے جاتے، شیخ

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ بیتی از حضرت شیخ الحدیثؒ۔ (ح)

نوافل میں مشغول ہو جاتے، سونے کا ایک منٹ کے لیے بھی معمول نہ تھا، اخیر وقت میں سحر کھاتے اور چوبیس گھنٹے میں یہی کھانے کا وقت تھا، نماز فجر اول وقت ہو جاتی، نماز کے بعد آرام فرماتے اور دن نکلنے کے بعد بیدار ہوتے، چوبیس گھنٹے میں یہی سونے کا وقت تھا، پھر دن بھر قرآن مجید ہی کا دور رہتا، یہی رمضان کا سب سے بڑا معمول تھا، جو کچھ وقت ملتا، قرآن مجید کی تلاوت اور دور میں گزرتا اور رمضان کی اسی مشغولیت اور علوئے ہمت میں صحت کے تنزل کے باوجود اور ترقی ہی ہوتی چلی گئی۔

۱۳۸۵ھ سے شیخ نے دار الطلبہ جدید کی مسجد میں رمضان گزارنا شروع کیا، ہر سال مجمع بڑھتا چلا گیا، ۱۳۸۵ھ میں چالیس نفر معتکف تھے، اخیر میں دو سو تک تعداد پہنچ گئی، ۱۳۸۶ھ میں دو سو سے معتکفین کی تعداد شروع ہوئی، ۱۳۸۷ھ میں خیمے لگانے پڑے، طلبہ کے جو حجرے خالی تھے ان میں مہمانوں کو ٹھہرایا گیا، ۱۳۹۴ھ کا رمضان سہارنپور میں گزرا، دار الطلبہ جدید کی مسجد دو منزلہ ہو گئی تھی، مگر وہ بھی معتکفین کے لیے کافی نہ ہوئی، مہمانوں کے لیے دار الطلبہ کے حجرے خالی کرائے گئے، شروع رمضان میں ۸-۹ سو کا اندازہ تھا، اخیر رمضان میں مولوی نصیر الدین صاحب نے بتایا کہ آج اٹھارہ سو مہمان ہیں، عشرہ اولیٰ کے ختم ہی پر مہمان ایک ہزار تک پہنچ گئے تھے، ۲۷-۲۸ رمضان تک تعداد دو ہزار تک پہونچ گئی۔

نظام الاوقات یہ تھا: ۱۱ بجے تقریباً ایک گھنٹہ وعظ، ظہر کے بعد عصر تک ختم خواجگان اور ذکر بالجہر، عصر کے بعد اکمال الشیم اور ارشاد الملوک، مغرب کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ نوافل اور طعام، اس کے بعد عشاء کی اذان تک نو وارد آنے والوں اور مقیمین سے ملاقات۔ عید کے بعد بھی دار جدید کی مسجد میں کئی دن قیام کرنا پڑا، اس لیے کہ مجمع بہت زیادہ تھا، شیخ نے یکم شوال ۹۴ھ کے بارے میں لکھا: ''میں تو آج رخصتی مصافحوں سے سمجھا تھا کہ مہمان سو پچاس ہی رہ گئے ہوں گے، مگر ابھی تو آج اور کل کے ٹھہرنے والے ابھی پانچ سو کے قریب ہیں۔''

سہارن پور کے رمضان کے زمانہ میں اگرچہ مقیمین پورے انہماک و یکسوئی کے ساتھ (إلا ما شاء الله) تلاوت و نوافل اور رمضان کے خصوصی معمولات میں منہمک رہتے، شیخ بار بار فرماتے: ''جتنا جی چاہے ساتھی سوئیں اور کھائیں، لیکن باتیں نہ کریں کہ سب سے زیادہ

مضر یہی ہے''، لیکن شیخ کو پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ رمضان کے اوقات پوری طرح وصول کیے جا رہے ہیں یا اس میں کوتاہی ہے، کبھی کبھی شیخ اس کو از راہ تواضع واحتساب نفس میلے سے تعبیر فرماتے، ۲۴ر فروری ۱۹۷۲ء کے ایک مکتوب میں جو راقم سطور کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:

''اپنے یہاں کے ہجوم کے متعلق آپ کو بھی معلوم ہوگا، کہ میں کئی سال سے مولوی معز، مفتی محمود وغیرہ خصوصی احباب سے بار بار یہ سوال کرتا تھا کہ اس میلہ سے جو رمضان میں یہاں لگتا ہے، فائدہ زیادہ ہے یا نقصان؟''

ایک پُر اثر وحسب حال نظم

اس موقع پر مناسب ہوگا کہ عزیزی مولوی محمد ثانی مرحوم کی وہ نظم درج کر دی جائے، جس میں رمضان المبارک کو وداع کہنے کے سلسلہ میں اس تاریخی موقع، اس پر کیف منظر اور اس کے ایک تاریخی یادگار بن جانے کی طرف لطیف اشارے کیے گئے ہیں۔
یہ نظم جب مولوی معین الدین صاحب نے بلند آواز سے پڑھی، تو ایک سماں بندھ گیا، خود شیخ پر ایک اثر معلوم ہوتا تھا، خاص طور پر آخری دو شعروں پر بہت سی آنکھیں اشکبار، اور پڑھنے والے کی آواز گلوگیر ہوگئی:

رحمتِ حق آئی قسمت ور چلے — سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے
نعمتوں سے گود بھرنے خوش نصیب — زاہدانِ باصفا بڑھ کر چلے
واہوئے در بزم رحمت کے تمام — اہلِ دردوسوز کھنچ کھنچ کر چلے
گلشن رحمت کی ہردم سیر کی — اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے
رہ گئے محروم ہم ہی کم نصیب — جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے
''شمع کی مانند اس کی بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے''
قدر نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے — بوجھ عصیاں کا لیے سر پر چلے
ہائے رے حسرت نصیبی، وائے غم — ''کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے''
نور سمٹا، چاندنی پھیکی پڑی — سر چھپانے کو مہ واختر چلے

ماہ رحمت کے شب و روز و سحر | ہر طرف تم نور برسا کر چلے
تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی | تم چلے ارمان سارے مر چلے
الفراق اے ماہ رمضاں الفراق | زخم دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لیے ہر سال تو | تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا اِدھر | بہر الطاف، اے کرم گستر! چلے
ہوں نہ ہوں یہ لطف کے دن پھر نصیب | اور دور بادۂ کوثر چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی | جانے کب در بند ساقی کر چلے

''ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے''(۱)

(۱) ماخوذ از ''حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ'' مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۱۲۷ تا ۱۳۰ و ۱۳۵ تا ۱۳۸۔

ہلالِ رمضان کا پیغام (۱)

لیجیے! پورے ایک سال کے بعد مجھے آپ حضرات کی زیارت پھر نصیب ہو رہی ہے۔ میں آپ کے لیے رمضان کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ پیغام ہے تقویٰ کا اور صبر کا، رحمت کا اور مغفرت کا، تلاوت کا اور عبادت کا اور رضائے الٰہی کا۔ میں ایک ماہ تک آپ حضرات کی مہمانی میں رہوں گا اور دیکھوں گا کہ آپ کے روزے کیسے گزرتے ہیں؟ آپ کی عبادت وتلاوت کا کیا حال ہے؟ آپ کتنا وقت عبادت میں صرف کرتے اور اپنے مالک کی یاد میں گزارتے ہیں؟ پھر میں آپ سے اجازت لے کر رخصت ہوں گا اور دوسرا چاند میری جگہ لے گا، عید کا مبارک اور نیا چاند، اور عید تو خود رمضان کا انعام ہے۔ اگر رمضان نہ ہوتا تو عید بھی نہ آتی، اگر مشقت نہ ہوتی تو راحت کا بھی لطف نہ آتا، شب بیداری نہ ہوتی تو نیند کا بھی پورا مزہ نہ آسکتا، اگر بھوک نہ ہوتی تو کھانا بھی اچھا معلوم نہ ہوتا۔ اس لیے عید اپنی تمام مسرتوں اور لذتوں کے باوجود رمضان کی رہینِ منت ہے اور اس طرح میں صرف رمضان ہی کا سفیر نہیں بلکہ عید کا بھی سفیر ہوں۔

زہد اور صبر کا مہینہ

ہاں! تو میں آپ کے لیے زہد، مجاہدہ، اور صبر کا پیغام لایا ہوں۔ میں بھوک اور پیاس اور شب بیداری کا سفیر ہوں اور کھانے پینے اور دوسری دنیاوی لذتوں سے آپ کا ہاتھ روکنے کے لیے آیا ہوں۔ اس لیے اگر میری آمد سے آپ حضرات کو گرانی ہو اور آپ ''واپس جاؤ'' کے نعروں کے ساتھ میرا استقبال کریں اور مجھ کو ''بھوک اور پیاس کا پیامبر'' اور ''مشقت و تکلیف کا قاصد'' کے ناموں سے نوازیں تو مجھ کو مطلق تعجب نہ ہوگا۔ خاص کر اس صورت میں جب کہ انتہائی گرمی کے زمانہ میں میں آپ کے یہاں آیا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں نے

(۱) آل انڈیا ریڈیو (دہلی) سے نشر کی گئی ایک عربی تقریر کا ترجمہ بقلم مولانا عتیق الرحمن سنبھلی۔

دیکھا کہ آپ نے میرا بڑی گرم جوشی اور محبت کے ساتھ استقبال کیا۔ آدمی مسجدوں اور اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے ہوئے میری ایک جھلک دیکھ لینے کے لیے بے قرار تھے، اور گویا انہوں نے اس بیکراں نیلے آسمان میں مجھے شکار کرنے کے لیے اپنی نگاہوں کا ایک جال سا بچھا دیا تھا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مسرت و خوشی کے الفاظ ان کی زبانوں سے بے ساختہ نکلنے لگے، ایسا معلوم ہوا جیسے وہ تھوڑی دیر کے لیے بھول گئے ہوں کہ میں کس ذمہ داری اور کن مطالبات کو لے کر آیا ہوں۔ میرے خیال میں تو ایسے آدمی کا اس زندہ دلی اور گرم جوشی سے استقبال کرنا جو ایک پُر مشقت کام یا ایک تلخ پیغام لے کر آیا ہو، بہت بڑی بات ہے، اور حقیقت میں یہ تو ایمان کا کرشمہ ہے اور یہ ایمان ہی کی طاقت ہے جو ایک شاق چیز کو آسان کر دیتی ہے اور دشمن کو دوست بنا دیتی ہے۔

دس گنے سے سات سو گنے کا ثواب

آپ نے نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنی یا پڑھی ہوگی کہ "كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ: اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِئَةِ ضِعْفٍ. قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ: يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي" (۱) ترجمہ: "انسان کے ہر اچھے عمل میں دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک اضافہ کیا جاتا ہے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، بندہ اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا صرف میری خاطر چھوڑتا ہے"۔ اور فرمایا کہ: "إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مَعَهُمْ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَدْخُلُونَ مِنْهُ، فَإِذَا دَخَلَ آخِرُهُمْ، أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ" (۲) یعنی: "جنت میں ایک دروازہ ہے، جس کا نام "ریان" ہے، قیامت کے دن اس سے صرف روزہ دار داخل ہوں گے اور جب وہ داخل ہو جائیں گے تو دروازہ بند کر دیا جائے گا اور پھر کوئی اس میں داخل نہ ہو سکے گا"۔ اور فرمایا: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" (۳)، "جس نے اللہ

(۱) رواه مسلم حديث رقم ۲۷۰۷ (۲) رواه مسلم حديث رقم ۲۷۱۰

(۳) رواه البخاري حديث رقم ۳۸

کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں رمضان کے روزے رکھے، اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔"

اگر یہ حدیثیں نہ ہوتیں جن پر آپ ایمان لائے ہیں، اگر یہ نعمتیں نہ ہوتیں جن کی طمع آپ اپنے اندر پاتے ہیں، یا مختصر الفاظ میں اگر ایمان آپ کے قلب میں پیوست نہ ہوتا، تو بخدا یہ روزہ اس گرمی میں کبھی آپ کے لیے آسان نہ ہوتا۔ اس لیے کہ انسان چھوٹی لذت کسی بڑی لذت کی امید ہی میں چھوڑ سکتا ہے، اور مختصر راحت کسی طویل آرام کے یقین ہی کی وجہ سے ترک کرسکتا ہے۔ اور حقیقت میں روزہ دار کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ روزہ خور کو کبھی نہیں حاصل ہوسکتی، بلکہ روزہ دار کے لیے دو ایسی فرحتیں رکھی گئی ہیں کہ کسی دوسرے کے لیے نہیں ہیں۔ ہمارے اور آپ کے نبی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ" (۱)، ترجمہ: "روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جو اس کو حاصل ہوں گی جب افطار کرے گا اس وقت اس کو خوشی حاصل ہوگی، اور جب اپنے رب سے ملے گا تو اپنے روزہ پر خوش ہوگا"۔

میری اپنی انفرادیت اور خصوصیت

میں یہ نہیں کہتا کہ نماز، زکوۃ کوئی بڑی چیز نہیں اور اس کا زندگی پر کوئی اثر نہیں۔ میں اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ محسن کی ناشکری کروں اور صاحب فضل کے فضل کا انکار کروں، جب کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے اور ان احکامات دینیہ میں کتنا برادرانہ اور مخلصانہ رشتہ ہے، لیکن اگر اجازت دیجیے تو میں یہ کہوں گا کہ میں دین کے ایک شعبہ کی زیادہ واضح اور طاقت ور نمائندگی کرتا ہوں، اور وہ ہے اطاعت اور قربانی کا شعبہ۔ میں جس گھر کو بھی دیکھتا ہوں، یہی نظر آتا ہے کہ لوگوں نے اپنے منھ پر تالے لگالیے ہیں اور گویا طلوع فجر سے لے کر آفتاب ڈوبنے تک انہوں نے کھانے پینے کی چیزوں پر ہاتھ لگانے تک کی قسم کھا رکھی ہے۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے ان کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں اور گویا ان کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کے منھ میں پانی آنے لگتا ہے، اور

(۱) رواه البخاري حديث رقم ١٩٠٤

ہونٹ اس کے مزے کے لیے بے قرار ہوجاتے ہیں۔ وہ کیا چیز ہے جو آپ کے اوران لذیذ کھانوں کے درمیان حائل ہوجاتی ہے اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے؟ ٹھنڈا پانی آپ کے سامنے موجود ہوتا ہے اور آپ لُو اور شدید تپش کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتے اور اپنی پیاس نہیں بجھا سکتے۔ خدا کا حکم ہی تو ہے جو آپ کو اس سے باز رکھتا ہے! اس سے اندازہ کیجیے کہ یہ اطاعت وقربانی کتنی بڑی ہے اور یہ فدائیت کا کیسا نمونہ ہے۔

میں نے اقتدار وجلال کے بہت سے نمونے دیکھے ہیں، اور اطاعت وفرماں برداری کے بہت سے مناظر کا مشاہدہ کیا ہے، لیکن میں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے بہت سے ایسے آدمیوں کو دیکھا جو دن کو جرائم سے دست کش ہوجاتے ہیں اور رات کو دوبارہ اس میں مشغول رہتے ہیں، اور ظاہری طور پر اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں نافرمان ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو حاکموں کو دھوکا دیتے ہیں، اور پولیس کی آنکھ میں بھی خاک ڈالتے ہیں، بلکہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ لوگ خود اپنے ساتھ خیانت کرتے ہیں، لیکن اس موقع پر جس اطاعت وفرماں برداری، اور وفاداری وجاں نثاری، جس اخلاص اور صبر اور ثابت قدمی کے نمونے دیکھے، وہ میں نے کسی دنیاوی اقتدار وعزت کی وجہ سے نہیں دیکھے۔

ایک آدمی ہے جس کو پیاس نے بیتاب کر رکھا ہے، پانی کے گلاس بھرے ہوئے سامنے رکھے ہیں، لیکن مجال نہیں کہ اس کو وہ اپنے ہونٹوں سے لگا لے۔ ایک مسلمان باورچی ہے، جو روزہ رکھے ہوئے دن بھر طرح طرح کے کھانے تیار کرتا ہے اور گرمی وتپش برداشت کرتا ہے، وہ چاہتا تو اس میں سے چکھ لے کر کھا سکتا تھا، لیکن محض ایمان اس کو اس چیز سے باز رکھتا ہے کہ تھوڑے سے چٹخارے کے لیے اپنے رب کو ناراض کر بیٹھے۔

جب سورج ڈوب جاتا ہے اور روزے دار اللہ کا نام لے کر روزہ افطار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ”ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ“ (پیاس دور ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور انشاء اللہ اجر ثابت ہوگیا)۔ اس وقت کوئی کھانے کے لیے ایک منٹ نہیں رکتا، بلکہ اس وقت نہ کھانا ایسی ہی معصیت اور گناہ ہے جیسے دن کو روزہ نہ رکھنا۔ معلوم ہوا کہ مومن حکم کا غلام ہے، حکم ہی سے وہ روزہ رکھتا ہے اور حکم ہی سے افطار کرتا ہے، اپنی طرف

سے کچھ اضافہ یا ترمیم کرنے کا حق اس کو حاصل نہیں ہے، اسی چیز کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ (۱)" ترجمہ: "جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے، اس وقت تک وہ خیر میں رہیں گے"۔ یہی وجہ ہے کہ عید و بقرعید میں روزہ رکھنا بہت بڑا گناہ بتایا گیا ہے، کیوں کہ یہ کھانے پینے کے دن ہیں، ان دنوں میں روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی تو نافرمانی کی گئی اور اپنے نفس کی فرماں برداری کی گئی۔

کھانے پینے میں اعتدال اور دوسروں کی مدد کر کے میرا ساتھ دیجیے!

موجودہ دور میں لوگ کھانے پینے میں بہت اسراف سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ کبھی کبھی اس پرخوری کی وجہ سے اپنے لیے ہلاکت کا سامان بھی کر لیتے ہیں، ان کے دل پتھر ہو جاتے ہیں اور ان کے احساسات بالکل مردہ، ان کو نہ کسی کے فقر کا خیال رہتا ہے اور نہ کسی کی بھوک کا، کسی ایسے منظر کو دیکھ کر ان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی، وہ اتنا سیر ہو کر کھاتے ہیں کہ وہ بھوک کا مطلب بھی بھول جاتے ہیں، وہ یہ سمجھ نہیں سکتے کہ بھوک سے انسان کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہی ہوتا اور وہ ہمیشہ سیر ہو کر کھاتے ہی رہتے، تو ان کو بھوک کا تجربہ کیسے ہوتا؟ وہ بھوکوں اور فقیروں پر کیسے رحم کرتے؟ جو بھوک کا نام ہی نہ جانتا ہو، وہ بھوکے پر کیسے رحم کھا سکتا ہے؟

میں ہر سال آ کر دولت مندوں اور خوش حال لوگوں کو بھوک کا تجربہ کرا جاتا ہوں، شاید وہ یہ سمجھیں کہ غریب لوگ کس بھوک اور فاقے کا شکار ہیں، شاید وہ ان کی مدد کے لیے آمادہ ہوں اور ان کے اندر رحم کا جذبہ پیدا ہو۔

اس سوسائٹی کا اصل مرض یہی کھانے کا مرض ہے نہ کہ بھوک، جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ کھانے کا یہ حد سے بڑھا ہوا شوق ہی تو ہے جس نے بہت سے اخلاقی و مادی امراض آپ کی سوسائٹی میں پیدا کیے، یہ سب بے صبری، شدتِ حرص اور لالچ کا نتیجہ ہے۔ میں ہر سال اسی مقصد سے آتا ہوں کہ اس شدت اور بے صبری میں کچھ تخفیف کر سکوں اور لوگوں میں کھانے پینے اور رہنے سہنے کے معاملہ میں اعتدال کا ذوق پیدا ہو۔ اس لیے کہ یہی وہ

---

(۱) رواہ البخاري، حدیث رقم ۱۹۵۷

چیز ہے، جس کو اللہ تعالیٰ میری آمد کے ساتھ آپ لوگوں پر فرض کرتا ہے۔ جس نے ایک مہینے کے روزے رکھ لیے، اس کی خواہشات میں اور اس کی ذہنی بھوک میں ضرور تھوڑی بہت کمی آنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف کھانے اور پینے ہی سے نہیں روکا گیا بلکہ ہر قسم کے فسق وفجور سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غیبت، جھوٹ، چغل خوری، لڑائی، فساد اور تمام بری باتوں سے روکا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی روزہ سے ہو تو وہ نہ بری بات کہے اور نہ لڑے جھگڑے، اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑنے پر آمادہ ہو تو اس سے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں[1]۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ''[2]، ''جس نے جھوٹ اور بری بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بھی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے''۔

جو شخص ان شرائط وآداب کے ساتھ روزہ رکھے گا، اور روزے کی روح کو اپنے اندر پیدا کرے گا وہ اعلیٰ اخلاق، پاکیزگی نفس اور عفت وطہارت کا اعلیٰ نمونہ بن سکتا ہے۔

میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا اور اپنی بات ختم کر لی، اب رخصت ہونا چاہتا ہوں، اجازت دیجیے، خدا حافظ۔[3]

---

(۱) رواه البخاري حديث رقم ۱۹۰٤ (۲) رواه البخاري حديث رقم ۱۹۰۳

(۳) پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ (شمارہ ۱۰/اگست ۱۹۷۷ء) و ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ (شمارہ فروری ۱۹۹۳ء)۔

رمضان مومنِ صادق کے لیے حیات نو [1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ.

میرے دوستو اور بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو اور خود اپنے کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پھر رمضان کا چاند دکھایا اور پھر رمضان نصیب فرمایا۔ کتنے ہمارے دوست اور احباب ہیں جو شاید ہم سے بھی افضل ہوں گے، اور اللہ کے یہاں کس کا کیا مرتبہ ہے، اللہ ہی جانتا ہے، رمضان سے قبل رخصت ہوگئے، اگر ان کو قبر میں اس کا استحضار ہوا، اللہ کو منظور ہوا تو وہ اس پر افسوس کرتے ہوں گے کہ ان کو رمضان نہیں ملا۔

رمضان کا کوئی بدل نہیں

رمضان کا کوئی بدل نہیں، سب مہینے اللہ کے ہیں، اللہ ہی نے دنیا پیدا کی، زمانہ پیدا کیا اور زمانے میں تبدیلی آتی رہتی ہے، لیکن رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۸۵] ”رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے“۔

رمضان کی فضیلت وعظمت

یہ معمولی بات نہیں ہے، ہم برابر جو چیز دیکھتے رہتے ہیں، اکثر جس راستے سے گزرتے رہتے ہیں مثلاً، اس پر توجہ نہیں ہوتی، جو چیز برابر سنتے رہتے ہیں اس پر توجہ نہیں

(۱) یکم رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ کو مسجد دائرہ شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں (رائے بریلی) میں کی گئی تقریر۔

ہوتی، یہاں تک کہ اذان کے معنی کی طرف ہر مرتبہ توجہ نہیں ہوتی۔ یہ معمولی بات نہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا، جو سب سے بڑی عزت دی جاسکتی تھی کسی وقت کو، کسی جگہ کو، وہ یہ کہ اس میں اللہ کا کلام نازل ہوا۔ جہاں تک زمانوں کا تعلق ہے، مہینوں کا اور مقامات کا تعلق ہے، اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت کی بات نہیں ہوسکتی جس میں قرآن مجید اللہ کا کلام نازل ہوا۔

نادر موقع

ایک تو اس پر مبارک باد قبول کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر رمضان نصیب فرمایا، اور جو کوتاہیاں ہم سے ہوئیں، یا جو ہمارے خیال میں آسکتی ہیں، خود اپنا حساب لینے سے جو کمی رہ گئی ہے پچھلے رمضانوں میں، وہ اس میں پوری کی جاسکتی ہے۔

بیشک موسم سخت ہے، لیکن اس کے بقدر اجر بھی ہے۔ اس سخت موسم میں کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ روزے کا اجر کچھ زیادہ ہی دیں، اس میں روزہ رکھنے کا اور سردی برداشت کرنے کا اور پھر اس کے ساتھ رمضان کے معمولات پورے کرنے کا کہ اجر بقدر مشقت ہوتا ہے۔

اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ

اس میں پہلی بات جو یاد رکھنے کی اور دل پر نقش کر لینے کی ہے، وہ یہ کہ اللہ کے رسول نے خاص عبادتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ: "مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"(۱)، یعنی جس نے شب بیداری کی شب قدر میں، اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے، اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں اور اس کے خیال سے، اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہیں، اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے کہ اس مہینہ کی یہ فضیلت ہے اور اس مہینہ میں عمل کرنے کا یہ اجر ہے، اور اللہ کے یہاں اس مہینہ کا یہ درجہ ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے یہ مہینہ اس درجہ محبوب ہے، اور اللہ کے اجر و ثواب کی لالچ میں

(۱) رواه البخاري حديث رقم ۱۹۰۱

روزہ رکھا، اور اسی شوق میں کہ اللہ اجر دے، اور کوئی جذبہ نہیں کہ مثلاً رمضان کی گنتی پوری ہوجائے، لوگ یہ نہ کہیں کہ روزے نہیں رکھے، اور ہمارا دل بھی مطمئن ہو کہ روزے رکھ لیے، لیکن ثواب کا، رمضان کی عظمت وفضیلت کا، اور رمضان کے اجر وثواب کا استحضار نہیں کہ وہ ہمارے لیے محرّک اور مشوّق ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عادتاً یا رواجاً یا ماحول کے اثر سے یا خاندانی روایات کی بنا پر روزے رکھتے ہیں۔

روزہ برائے افطار

اس سلسلہ میں ایک تجربہ ہوا کہ ایک مرتبہ، آج سے کوئی بیس پچیس تیس برس پہلے کی بات ہے کہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن نے ہم سے ایک تقریر لکھوائی کہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نشر کی جائے گی، وہ ہم نے لکھ کر دے دی۔ اس کے بعد مجھے ایک طویل سفر پیش آگیا، جس میں پشاور، کوئٹہ اور قندھار کے راستہ میں افغانستان کے قریب تک کا سفر تھا، جو ایک دینی ضرورت سے کیا گیا تھا، تو ہم کوئٹہ میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا۔ ایک فوجی افسر نے یا کسی رئیس نے دعوت کی تو اس میں ایک فوجی افسر بھی شامل ہوئے، جو ادھر ہندوستان کی طرف کے تھے، وہ ریڈیو اسٹیشن سے تقریریں کراتے تھے، ہمیں تو اس کا موقع نہیں تھا۔ انہوں نے کہا: مولانا! ہم نے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے آپ کی تقریر سنی، تو اس میں آپ نے رمضان کے بہت سے فضائل بیان کیے اور اس کی خصوصیات کا ذکر کیا، لیکن آپ نے ایک بات کا ذکر نہیں کیا، روزہ کھولنے میں جو مزہ آتا ہے، وہ کسی چیز میں نہ آتا ہوگا۔ گرمی کا زمانہ ہے تو پانی پینے میں، اور دوسرا موسم ہے تو افطار کرنے میں جو مزہ آتا ہے، وہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں آتا اور میں تو روزہ اسی لیے رکھتا ہوں۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں تو روزہ اسی لیے رکھتا ہوں۔ اسی مزے کی بنا پر کہ روزہ رکھ کر جب افطار کرو تو وہ مزہ آتا ہے جو دنیا میں کسی نعمت میں، کسی بڑی سے بڑی خوراک میں، کھانے میں، پھل اور میوہ میں نہیں آتا۔

روزہ عادت یا عبادت

یہ بات بڑی آزمائش کی ہے، ساری دنیا کے لیے اور مسلمانوں کے لیے بھی بحیثیت انسان ہونے کے کہ عادت اور عبادت ان دونوں چیزوں میں اختلاط ہے، ان میں باہم تمیز نہیں ہو پاتی، تو

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عبادت عادت بن جاتی ہے اور اس میں استحضار نہیں ہوتا کہ ہم کس کے لیے کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ نمازیں بعض مرتبہ بالکل عادت بن جاتی ہیں۔ نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی، وقت ہوا تو گئے مگر کوئی استحضار نہیں کہ ہمارے ایک ایک قدم کا کیا ثواب مل رہا ہے، اور کتنی دور جا رہے ہیں، اور مسجد پہنچ رہے ہیں، پھر مسجد میں اس نیت سے پاؤں رکھیں اور کہیں: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، اور خیال کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے گھر آ گئے، رحمت و برکت کی جگہ میں آ گئے، بس وہ جیسے ایک ڈھلی ہوئی چیز ہوتی ہے، اس طرح مذہبی زندگی بھی ڈھل جاتی ہے، ڈھلی ہوئی ہوتی ہے، کہ ہر چیز اپنی جگہ پر، اپنے وقت پر ہوتی ہے، شعور نہیں ہوتا، استحضار نہیں ہوتا۔

روزہ رضائے الٰہی کا ذریعہ

پہلی بات تو یہ کہ آپ اس میں اپنے ذہن کو حاضر رکھیں کہ روزہ آپ اللہ کی خوشی کے لیے رکھ رہے ہیں، نہ دکھانے کے لیے، نہ رواجاً اور نہ کسی شرم سے کہ لوگ کہیں گے: یہ کیسے روزہ خور ہیں اور روزہ نہیں رکھتے ہیں، بلکہ اس کا استحضار ہونا چاہیے۔

اور ایسے ہی شبِ قدر تک کے متعلق آتا ہے: ''مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ'' (۱)، جو شبِ قدر میں عبادت کرے، اللہ پر یقین کرتے ہوئے، اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے، اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں، تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تو ایک بات تو یہ ہے کہ پورا استحضار ہو، اور ذرا ذہن کو تازہ کر لیا جائے کہ ہم نے یہ روزہ اللہ کی خوشی کے لیے رکھا ہے، اس لیے کہ روزہ فرض ہے۔

رحمت باری کا مظہر

اللہ تعالیٰ نے رمضان میں بڑی خصوصیات رکھی ہیں، اس میں بڑی برکتیں ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے، پھیل جاتی ہے، اس میں بڑے بڑے گنہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس لیے نیت کا استحضار ہو، شعور بیدار ہو جائے، ذہن کو ذرا تھوڑا سا اس میں حاضر

---

(۱) رواه البخاري حديث رقم ٢٠١٤

کر لیجیے، اور ذہن سے یہ بات کہلوا لیجیے کہ یہ روزہ اللہ کی خوشی کے لیے رکھ رہے ہیں۔ رسماً، رواجاً، مصلحتاً یا کسی اور وجہ سے نہیں۔

تلاوت کا موسم

پھر اس کے بعد اس روزہ میں آپ اپنے وقت کو جتنا عبادت میں مشغول رکھ سکیں رکھیں، نوافل میں اور اس سے بڑھ کر اس میں قرآن مجید کی تلاوت، آپ کی طاقت وصحت کے مطابق اور فرصت کی مطابق اور دنوں کے مقابلہ میں زیادہ ہونی چاہیے۔ اللہ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جو ایک قرآن مجید روز پڑھ لیتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ غالباً ایک قرآن مجید روز ختم کر لیتے تھے۔ ہم نے بھی کئی رمضان ان کے ساتھ گزارے ہیں، ہم کئی بار رمضان میں حاضر ہوئے ہیں، اور باقی یہ کہ اس سے کم تو لوگ کرتے ہی تھے، اور پھر ادب وخشوع کے ساتھ، اور اللہ کی نعمت سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی رمضان میں ہمیں توفیق دی۔ رمضان جو اس کا محبوب مہینہ ہے، اس مہینہ میں قرآن مجید پڑھنے کا جو اجر ہے، وہ عام وقتوں میں نہیں ہے۔

عبادت وطاعت کا مہینہ

دوسری بات یہ کہ اس میں ہمارا زیادہ تر وقت عبادت وریاضت، ذکر واذکار، توبہ واستغفار، دعا ومناجات اور تلاوت قرآن میں گزرے، لیکن زیادہ بات چیت کرنا، چاہے اس میں غیبت نہ ہو اور غیبت سے تو بہت بچنا چاہیے، عام طور پر اور رمضان میں خاص طور پر، لیکن غیبت نہ ہو، جب دوستوں کی باتیں ہوتی ہیں، اپنے گھر میں شہر کا حال بیان کر رہے ہیں، موسم کا ذکر کر رہے ہیں، یا اپنی زندگی کے کچھ حالات بیان کر رہے ہیں، یا پوچھ رہے ہیں، یا اور کوئی ایسی تفریحی باتیں کر رہے ہیں وقت گزاری کے لیے، یہ نہیں۔ جہاں تک ہوسکے یا تو قرآن مجید کی تلاوت میں وقت گزارا جائے یا پھر آرام کرنے میں وقت گزارا جائے یا مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہا جائے۔ ایک اعتکاف تو ہے اخیر عشرہ کا، لیکن یہ اعتکاف ہر وقت ہوسکتا ہے، اس وقت سے لے کر عصر تک کے لیے معتکف ہیں اور عصر سے لے کر مغرب تک

کے لیے معتکف ہیں، یہ جزوی اور مختصر اعتکاف ہوتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے۔

حقوق العباد کی فکر

اور پھر اسی کے بعد رمضان میں ایک بات کرنے کی یہ ہے کہ جو حقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں، ان کو سوچ کر کے اور ارادہ کرلے کہ اب ان کو ادا کریں گے، جس کا جو حق ہے اسے دیں گے، اور ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان سے بچیں گے اور توبہ واستغفار بھی کریں گے۔

رمضان حیاتِ نو کا آغاز

اس رمضان سے آئندہ زندگی کا نیا نقشہ بنائیں گے کہ ایک زندگی شروع ہوتی ہے ولادت سے، ایک زندگی شروع ہوتی ہے بلوغ سے، ایک زندگی شروع ہوتی ہے کسی مدرسہ سے فراغت حاصل کر کے، ایک زندگی شروع ہوتی ہے حج سے، اور ایک زندگی شروع ہوتی ہے رمضان سے بھی۔ آپ یہ ارادہ کریں کہ اب اس رمضان سے نمازوں کی پابندی اس سے زیادہ کریں گے جتنی کرتے تھے، اس سے پہلے تو جماعت کبھی چھوٹ جاتی تھی، کبھی تاخیر ہو جاتی تھی، کبھی سو جاتے تھے، اب جماعت کا اور اہتمام والتزام کریں گے۔ یہ ارادہ آپ اسی رمضان میں کیجیے۔

حقوق کی رعایت وادائیگی

اور ایسے میں جو شرعی حقوق آپ پر واجب ہوتے ہیں، میراث کے ہیں، ترکہ کے ہیں، جائداد کے ہیں، اور ساجھے کی تجارت کے ہیں، ان کا بھی ارادہ اسی رمضان میں کیجیے کہ ہم انشاء اللہ وہ اپنے ذمہ نہیں رکھیں گے، ان کو ادا کریں گے۔

طلب علم اور علماء وصالحین کی ہم نشینی

اور یہ ارادہ بھی کیجیے کہ ہم اسی رمضان کے بعد زیادہ سے زیادہ دینی معلومات حاصل کریں گے، دینی کتابیں پڑھیں گے، دینی صحبتوں میں بیٹھیں گے، تبلیغ میں جائیں گے، یا علماء کی مجلس میں بیٹھیں گے، یا اللہ کے نیک بندوں کی زیارت کے لیے جائیں گے۔

رمضان انقلاب انگیز مہینہ

یہ سب ارادے اس رمضان میں کیجیے تب یہ رمضان آپ کی زندگی میں انقلابی رمضان ہوگا، انقلاب انگیز، عہد آفریں، اس سے ایک نئی زندگی شروع ہوگی، اور رمضان سے نئی زندگی شروع ہونی چاہیے۔

تصحیح نیت اور اخلاص عمل

آج اتنا ہی ضروری ہے کہ آپ اپنی نیت صحیح کرلیں اور ایماناً و احتساباً جو کہا گیا ہے کہ اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں ہم روزے رکھ رہے ہیں، اس کو ذرا ذہن میں تازہ کرلیجیے، تو اس کا ثواب بہت ہوگا۔

آٹومیٹک وضو اور خودکار نمازیں

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: لوگ وضو کرتے ہیں اور ان کو خیال نہیں ہوتا، حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے جو کچھ گناہ ہوئے ہیں اور جو کوتاہیاں ہوئیں اور سیئات ہوئے اور صغائر ہوئے ہیں، سب معاف ہوجاتے ہیں، منھ پر پانی ڈالتا ہے تو آنکھوں سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں، زبان سے ہوئی ہیں، وہ معاف ہوجاتی ہیں۔ اس کا کسی کو خیال ہی نہیں ہوتا، بس وہ بالکل جیسے کسی چیز کا مشینی آٹومیٹک طریقہ ہوتا ہے، تو ہمارا وضو بھی مشینی ہوگیا ہے، اور اللہ معاف کرے، بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی مشینی ہوگئی ہیں۔ آئے اور کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہا، کچھ خیال نہیں، ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں؟ یہ کون سی نماز ہے؟ اس کا کیا ثواب ہے؟ کیا اجر ہے؟ پھر اس میں جو پڑھا جاتا ہے، اگر تنہا پڑھ رہا ہے تو اس پر غور کرے، اگر کسی جہری نماز میں امام کے پیچھے ہے تو قرأت پر غور کرے۔

یہ سب چیزیں سانچے میں ڈھل کر بالکل طبعی، عادتی اور خودکار ہوگئی ہیں۔ ان سب چیزوں میں اسی رمضان سے آپ کی زندگی میں کوئی اچھی تبدیلی وترقی آنی چاہیے۔

دائرہ شاہ علم اللہؒ کا پیغام

اور پھر آپ جس جگہ ہیں، وہاں کا تو پیغام بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے ایسے

بندے پیدا کیے ہیں جنھوں نے سارے ہندوستان میں دین کا دھیان پیدا کر دیا، اور اللہ کی محبت، عشق الٰہی اور قربانی کا جذبہ اور شرک وبدعت سے نفرت اور اس سے وحشت، یہ طبعی طور پر پیدا ہوگئی۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں جس نے ہاتھ دے دیا، تو یہ حال تھا کہ ابھی ہاتھ چھڑایا اور ابھی سے اس کو شرک وبدعت سے نفرت ہوگئی اور اس وقت سے نماز کا پابند بن گیا، اور اللہ کا ذکر کرنے لگا، اور پھر جہاد کا بھی اس کو شوق ہوگیا۔

تو آپ اس کا بھی خیال رکھیں کہ آپ ایسی جگہ ہیں جہاں سے یہ پیغام سارے ہندوستان کو ملا، اور اس کی ایک ہوا چل گئی، اور اس کا ایک ذوق پیدا ہوگیا۔

شہر خموشاں کا حق

اور آخری بات یہ ہے، اور یہ کوئی فرض یا واجب نہیں، مگر اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے، یہاں کا بھی فائدہ ہے کہ آپ کچھ قرآن مجید پڑھ کے یہاں کے جو مدفونین ہیں، جو بزرگ یہاں مدفون ہیں، بلکہ جتنے اللہ کے بندے اور خاندان کے لوگ یا باہر سے آ کر جو لوگ مقبرے میں دفن ہیں، ان کو ایصال ثواب بھی کر دیا کریں، چاہے سورہ فاتحہ ہی پڑھ کر کریں۔ یہ حق ہے، جوار کا حق ہے، پڑوس کا حق ہوتا ہے، تو یہ پڑوسی کا حق ہے۔

ایصال ثواب کی برکت

ماشاء اللہ! اتنے آدمی روزے رکھ رہے ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں، لیکن یہاں کے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے، کچھ حصہ ان کا بھی ہونا چاہیے، اس سے اللہ تعالیٰ ان کو بھی اجر عطا فرمائے گا۔ آپ کو بھی ترقی ومزید توفیق عطا فرمائے گا۔ اس سے آپ کی زندگی میں برکت ہوگی، انشاء اللہ، اس لیے کہ وہ اللہ کے بڑے صادق اور مخلص بندے تھے، اور ان کی وجہ سے دین کا بڑا فروغ ہوا۔

کیا خبر یہ آخری رمضان ہو!

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ اس رمضان کی قدر کریں، اللہ اس کے بعد آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے، لیکن آپ کے ذہن میں یہ ہونا چاہیے کہ اس

رمضان میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اس خیال سے کہ رمضان تو ابھی بہت کرنے ہیں، نہیں! بلکہ اسی رمضان میں ایسا کریں کہ جیسے معلوم نہیں اس کے بعد موقع ملے یا نہ ملے، کیا ہو! صرف عمر ہی کا مسئلہ نہیں، صحت کا مسئلہ بھی ہوتا ہے اور بعض حوادث کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ ان سب سے اللہ آپ کو بچائے اور آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے۔ مگر اس رمضان کی قدر کریں اور اس میں جو زیادہ سے زیادہ ہو سکے وہ کرلیں۔

درود پاک کی کثرت

اللہ سے دعائیں مانگ لیں، استغفار کرلیں، قرآن شریف پڑھیں، ایصال ثواب کریں، اور درود شریف کا اہتمام رکھیں۔ یہاں کے قیام میں نمازوں کے بعد، قرآن مجید کی تلاوت کے بعد، سب سے زیادہ اہتمام درود شریف کا ہونا چاہیے، کم سے کم ایک بار تو درود شریف جو مسنون ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔

ایسے ہی اہل ایمان کے لیے دعا: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ کا اہتمام کریں۔

اور پھر ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ، اَلْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ“ اس کا ورد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے، اور یہ رمضان ہماری زندگی میں ایک انقلاب انگیز رمضان ثابت ہو۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔ (۱)

---

(۱) یہ تقریر مکتبہ حرا لکھنؤ سے علاحدہ رسالہ کی شکل میں شائع ہوئی۔

رمضان المبارک کا مبارک تحفہ (۱)

رمضان کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورة البقرة:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

یہ رمضان المبارک چونکہ ہر سال آتا ہے، اور جن کو اللہ نے زندگی عطا فرمائی ہے، ان کے لیے ایک امتحان بھی ہے۔ امتحان یہ کہ جو چیز بار بار آتی ہے، جس میں ذوقی، جسمانی، اور لذتی باتیں شامل ہوتی ہیں، اس میں آدمی کے اندر اخلاص پیدا ہونا اور صرف رضائے الٰہی کا طالب ہونا ایک امتحان بن جاتا ہے۔ بہت سے لوگ عادتاً کرتے ہیں تو ان کے اندر عظمت ووقعت پیدا نہیں ہو پاتی، اور جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں، ان پر یقین نہیں جم پاتا ہے، اس لیے کہ بہت سی چیزیں طبعی وفطری ہوتی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (۲).

یہ بڑے سوچنے کی بات ہے، اور یہاں سے آپ یہ سیکھ کر جائیے، اور پورے رمضان بھر اس کو ذہن میں محفوظ کیجیے، یہ اللہ کا رسول ﷺ ہی فرما سکتا تھا۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مبصر اور ماہر نفسیات، بڑے سے بڑا نبض شناس اور حکیم بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، اللہ پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی امید میں، تو اس کے سب گناہ

---

(۱) رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کے پہلے جمعہ کو مسجد تکیہ کلاں (رائے بریلی) میں کی گئی تقریر۔

(۲) رواه البخاري، حديث رقم ۳۸

معاف ہو جائیں گے۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی پوچھ سکتا ہے کہ آدمی روزہ اور کس کے لیے رکھے گا؟ وہ کھانا چھوڑ دیتا ہے، گرمی میں پانی پینا چھوڑ دیتا ہے اور بہت بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے اور سخت مشقت کی زندگی گزارتا ہے، تو اجر و ثواب ہی کی نیت سے تو کرتا ہے، لیکن جو لوگ انسانی نفسیات اور سائیکالوجی (Psychology) اور انسانی کمزوری سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی کمزوری عمومی طور پر رائج ہوتی ہے تو وہ بے شعوری اور غفلت سے ہوتی ہے۔

رمضان ایک موسم ہے

ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے، گرمی کا موسم، سردی کا موسم، بارش کا موسم، ایسے ہی رمضان کا موسم بھی ہوتا ہے، اس موسم کا تقاضا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں اور عبادات وطاعات میں اور اضافہ کیا جائے۔ اس موسم سے سبھی متاثر ہوتے ہیں، لیکن انہیں اس کا دھیان نہیں رہ پاتا کہ وہ یہ عمل کیوں اور کس کے لیے کر رہے ہیں؟ بہت سے لوگ تو نیت ہی نہیں کرتے کہ وہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں؟ اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانا پینا چھوڑ رہے ہیں، صرف اللہ کی رضا چاہتے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، روزہ رکھنے پر لوگ تعریف کریں گے، اور نہ رکھنے پر لوگ برائی کریں گے، اور تنقید کریں گے؛ بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے۔

تو ضروری چیز اس میں یہ ہے کہ نیت کا استحضار رہے، آدمی اپنے کو ٹٹولے، محاسبہ کرے، ادھر ذہن ہی نہیں جاتا، دھیان ہی نہیں جاتا کہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں؟ کھانا پینا کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ جب کہ اللہ نے ہم کو سب کچھ دیا ہے۔ روزے کے سلسلے میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں اور جو بشارتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں جو وعدے مذکور ہیں، ایک تو یہی ہے جو اسی آیت کے آخر میں فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ باقی معیشت میں برکت حاصل ہوتی ہے، قلب منور ہوتا ہے، گناہوں سے بچنا آسان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ اس کا کتنا اہتمام فرماتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے کہ ہم کھا پی سکتے ہیں، مگر محض اللہ کی خوشنودی کے لیے یہ سب چھوڑ رہے ہیں، ایک ایک لمحہ کا ہم کو ثواب ملتا ہے، ہمارا بھوکا رہنا اللہ کو پیارا لگتا ہے، اللہ خوش

ہوتا ہے کہ اس بندے نے ہمارے حکم کی تعمیل اور محض ہماری خوشی کے لیے تمام لذتیں ترک کردی ہیں، اور محض میری خوشی کے لیے وہ بھوکا پیاسا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ اکثروں کا ادھر خیال جاتا ہی نہیں ہے کہ یہ جو روزہ رکھا ہے، اس کی کیا عظمت ہے؟ اللہ کا اس پر کیا انعام ہے؟ اللہ کو اس پر کتنا پیار آتا ہے؟ ادھر ذہن جاتا ہی نہیں ہے۔ اس میں نیت کو حاضر کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ ہر چیز تو اپنے وقت پر ہوتی رہتی ہے اور اپنے موقع پر انجام پاتی ہے، سب شریک ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آدمی کے ذہن میں اس کا اصل مقصد اور نیت بھی ہو، ایک ہوا چلتی ہے، ایک موسم ہوتا ہے جو اپنا اثر چھوڑتا ہے، سب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

ایک لطیفہ

لطیفے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لکھنؤ میں پہلی مرتبہ جب ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا، تو مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ رمضان قریب آ رہا ہے، رمضان کے لیے میں کوئی ٹاک (Talk) لکھ دوں اور وہ براڈکاسٹ ہو، ٹاک ہم نے لکھ دی، لیکن اس کے بعد ہی فوراً ہمیں کوئٹہ کا ایک سفر درپیش ہوگیا، اور آگے افغانستان کی سرحد کا ایک دینی ودعوتی ضرورت سے یہ سفر تھا، تو جب رمضان کی شب آئی اور جس رات کو چاند ہوا، تو ہمارے عزیز بھائی مولوی ابوبکر صاحب حسنی (جو اس وقت یہاں موجود بھی ہیں) انھوں نے وہ مضمون پڑھا، ہم چونکہ کوئٹہ میں تھے، وہاں ایک فوجی افسر مسلمان تھے، یہاں ہماری دعوت تھی، مولانا منظور صاحب نعمانیؒ بھی مدعو تھے، اور یہ دعوت انہوں نے احتراماً اور تعلق کے اظہار کے لیے کی تھی، اس دعوت میں اور بھی فوجی افسران شامل ہوئے، تو ایک فوجی افسر صاحب آئے اور کہنے لگے: ''مولانا! آپ کی تقریر لکھنؤ سے ہو رہی تھی، ہم نے بھی سنی، بڑی اچھی باتیں آپ نے فرمائیں، لیکن مولانا صاحب! آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مزہ روزہ میں آتا ہے، وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا، ہم تو روزہ رکھتے ہی اسی لیے ہیں کہ افطار میں بڑا مزہ آتا ہے۔''

تو آج جب نماز، روزہ میں ہمارا یہ حال ہوگیا ہے، تو دوسرے امور میں کیسے دھیان رہے گا؟ میں آپ سے کہتا ہوں کہ دین کے سارے ہی اعمال اور امور طبعیہ شادی بیاہ، لیکن

دین، کھانا اور کھلانا، کسی سے ملنے جانا، کسی کی مدد کرنا، کسی سے محبت کے ساتھ ملنا، ان سب میں نیت کی ضرورت ہے، نیت تازہ کرے تو وہ عمل عبادت بن جاتا ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں، جیسے سب غیر مسلم کر رہے ہیں اسی طرح ہم بھی کر رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلم اور غیر مسلم کے عمل میں بالکل فرق نہیں، لیکن ایسا ہوتا ہے کہ نہ وہ کوئی نیت کرتے ہیں اور نہ ہم کوئی نیت کرتے ہیں۔

اس وقت امت میں جو بیماری زیادہ پھیلی ہوئی ہے، وہ بے نیتی ہے، آج بد نیتی کم ہے، بے نیتی زیادہ ہے، اور یہ نتیجہ ہے بے شعوری اور غفلت کا۔

بڑے سے بڑے کام بے نیتی سے کر لیتے ہیں، اور اب تو اس کا بھی تجربہ ہوا اور مشاہدہ بھی، کہ حج بھی قرب الٰہی کی نیت سے نہیں کرتے اور اس کی عظمت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں بھی کچھ ملتا ملاتا ہے، شہرت ہوتی ہے کہ فلاں نے دسواں حج کیا، فلاں نے پندرھواں حج کیا، بعضوں کی زبان سے اس کا اظہار بھی ہوا، تو حج میں بھی یہ بات پیدا ہوگئی ہے، یہ رمضان کے روزے ہیں، اس کے مقابلے میں جو اللہ کے مقبول بندے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ ان کا کوئی فعل نیت کے بغیر نہیں ہوتا۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

آپ چونکہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اس کی مناسبت سے عرض کرتا ہوں، آپ نے نام سنا ہوگا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا، وہ یہیں پیدا ہوئے۔ ان کے نام سے یہیں مدرسہ ہے، اور بالاکوٹ میں وہ شہید ہوئے۔ انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا: جب سے ہوش آیا اور شعور پیدا ہوا، اس وقت سے اس وقت تک کوئی روزمرہ کا کام بھی رضائے الٰہی کے بغیر نہیں کیا، استنجاء گیا ہوں تو اس میں رضائے الٰہی کی نیت کی کہ میں پاک ہوں، کسی سے ہنس کر بولا ہوں تو اسی نیت سے، کسی کو ہنسایا ہوں تو اسی نیت سے، کھانا کھایا ہوں تو اسی نیت سے، انہوں نے اتنے وثوق سے فرمایا کہ شعور کے پیدا ہونے کے بعد سے اس وقت تک کوئی عمل رضائے الٰہی کے بغیر نہیں کیا۔

ہم اپنا جائزہ لیں

اب ہم اپنے کو ٹٹولیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عمل بھی ہم نے اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو اور یہ کہ آخرت میں ہم کو اس کا ثواب ملے گا، اور اللہ راضی ہوگا۔ عبادت کا یہ حال ہوگیا ہے کہ وہ عادات بن گئی ہیں، بے شعوری دل ودماغ اور اعصاب پر چھا گئی ہے، بھوک لگی کھانا کھالیا، کوئی آیا اس سے ہنس کر بول لیا، کھانا بھی کھلا دیا، لیکن اس پر جو اللہ کے یہاں اجر کا وعدہ ہے، اس کو ذہن میں نہیں رکھا۔ کوئی عمل جو اللہ کا پسندیدہ ہے، اس کا شعور نہیں۔ کھانا کھلانے پر بھی اجروثواب کی نیت نہیں ہوتی، اس میں ریا اور شہرت طلبی ہوتی ہے۔ اور ریا اور شہرت طلبی بہت بری چیز ہے۔ ہم سب کو الزام نہیں دے سکتے، لیکن یہ بے شعوری کی بات ہے، بدشعوری کم، بے شعوری زیادہ ہے۔

ہر عمل شعور اور استحضار نیت کے ساتھ ہو

تو یہ ہنسا بولنا، کھانا پینا، کھلانا پلانا، آنا جانا، یہ سب شعور اور استحضار نیت سے کرنا چاہیے، اور بہت سی چیزیں چھوڑ دینا، جو ہم کر سکتے ہیں مگر وہ دین کے خلاف ہیں، اس لیے اب نہیں کریں، تو سب میں رضائے الٰہی کی نیت ہونی چاہیے۔ یہ ایک آسان کام بھی ہے، اور وسیع کام بھی ہے، اتنا وسیع کہ اس سے وسیع دوسرا کام مشکل سے ملے گا۔ کچھ کرنا نہیں، بس اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے، ہم ان سے ہنس کر صرف اس لیے بول رہے ہیں کہ اللہ راضی ہوجائے، جب اس شعور کے ساتھ کام ہوتا ہے، تو زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، ورنہ نشیب وفراز کی زندگی رہتی ہے، کہ نماز تو اللہ کے لیے پڑھیں اور ادھر کسی سے ملنے جلنے چلے گئے تو بس ایسے ہی چلے گئے، کس سے تعلق ومحبت ہے تو ایسے ہی ہوگیا، جب یہ شعور ہوتا ہے تو پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

رمضان کا خاص تحفہ اور پیغام

بس یہاں سے آپ یہ چیز لے کر جائیں کہ جو کام کرنا ہے، اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے، سب کام میں رضائے الٰہی کی نیت ہونی چاہیے۔ ہم تھکے ہیں، پریشان ہیں، اتنے میں مہمان

آ گئے، اب بشاشت سے ان سے ملنا ہے، موڈ نہیں ہو رہا ہے، جی نہیں چاہ رہا ہے، لیکن ان کی خاطر تواضع کرنی ہے، اس لیے کہ اللہ کی رضا اس میں ہے، اس لیے کہ اللہ کو یہ عمل پسند ہے اور حضور ﷺ کی یہ سنت ہے۔ جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو پوری زندگی پر نور کی چادر چھا جاتی ہے، اور رحمت الٰہی کا سایہ ہوتا ہے، اور اس کا اصل فائدہ قیامت میں معلوم ہوگا، جب اللہ کے سامنے جائیں گے تب قدر آئے گی کہ یہ چھوٹا سا عمل آج کتنا بڑا بن کر سامنے ہے کہ فلاں کا کام کر دیا تھا اور فلاں سے ہنس کر بولے تھے۔

یہ تحفہ ہے رمضان المبارک کا! پہلا اور عظیم تحفہ ہے، بس یہ کہ آپ کی نیت رضائے الٰہی کی ہونی چاہیے۔ ایک دوسری حدیث میں: "مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"، [1] وارد ہوا ہے، یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے، اور کس کے بس کی بات ہے؟ پیغمبر کو اللہ نے یہ علم بخشا اور یہ اطلاع دی کہ کبھی دینی کام بھی آدمی اپنی خواہشات سے کر لیتے ہیں، اپنے بعض فوائد اور اغراض و منافع سے کر لیتے ہیں، یہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ پیغمبر کو ہی اللہ نے یہ بصیرت عطا فرمائی ہے اور ان کے ذریعہ سے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ بس یہی اس رمضان المبارک کا تحفہ ہے آپ کے لیے، اور یہی اس مبارک مہینہ کا پیغام ہے آپ کی زندگی کے لیے۔ [2]

---

(۱) رواہ البخاري، حديث رقم ٢٠١٤

(۲) پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ (شمارہ ۱۰ و ۲۵/ جنوری ۱۹۹۹ء)۔

رمضان اور اس کے تقاضے (۱)

نعمت اور احسان

میرے بزرگو! اور دوستو! سب سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور اس کا شکر ہے، اور نہایت درجہ قابلِ مبارک باد بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے یہ مبارک وقت رمضان مبارک کا نصیب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید ہے کہ جس طرح اس وقت تک رمضان مبارک کا مشتاق اور منتظر بنایا ہے، اسی طرح اس کی نعمتیں اور برکتیں بھی نصیب فرمائے گا۔ اس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رمضان کے استقبال کرنے کے لیے ہمیں اور آپ کو زندہ رکھا اور ایمان کے ساتھ اور صحت کے ساتھ اور امن وعافیت کے ساتھ اس وقت تک باقی رکھا ہے۔ اس میں ہماری آپ کی کوششوں اور خواہشات کو کوئی دخل نہیں، محض اللہ کا فضل ہے، اور نہ اس میں ہماری کسی قابلیت اور کسی محنت اور مجاہدہ کا دخل ہے۔

بہت سے ایسے بھائی جو ہم سے بدرجہا افضل تھے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا مرتبہ ہم سے کہیں زیادہ اونچا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ اگر سارے عالم اسلام کی فہرست بنائی جائے تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوگی۔ اور اگر صرف اس ملک ہندوستان کی فہرست بنائی جائے تو بھی ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔ اور اگر ہمارے حلقۂ تعارف اور حلقۂ احباب کی فہرست بنائی جائے تو اس کی تعداد بھی درجنوں سے زیادہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، اور شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا کہ ہماری

---

(۱) سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ میں کی گئی تقریر۔

کوئی خصوصیت نہ تھی، ہمارے اندر کوئی کمال نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتِ بے بہا عطا فرمانے کے لیے اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے ہم کو اس وقت تک زندہ رکھا ہے۔ جب اس وقت زندہ رکھا ہے تو جو دن باقی ہیں، اُن میں بھی اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھنی چاہیے کہ یہ ماہ ہم کو نصیب ہوگا۔

صرف یہی نہیں کہ یہ مہینہ ہماری عمر میں ایک مرتبہ پھر آ گیا؛ بلکہ ہم میں سے اکثر احباب جو اس وقت موجود ہیں، کم سے کم ان کو اللہ تعالیٰ نے توفیق بھی عطا فرمائی، اور توفیق کے معنی ہی ہیں کہ کسی چیز کا حصول جن چیزوں یا جن شرطوں پر موقوف ہوتا ہے، وہ شرطیں پوری ہوں، یعنی صحت ہو، اور عافیت ہو، اور جو اس کے لوازم اور اس کی شرائط ہیں، وہ سب کے سب الحمدللہ ہمارے اندر پائے جاتے ہیں۔ نعمت برنعمت اور احسان بالائے احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو زندہ رکھا۔ اور پھر ہمارے اندر اس کی استعداد بھی رکھی ہے۔ ہم میں سے اکثر وہ لوگ ہیں کہ روزہ رکھنے کی ان کے اندر طاقت ہے اور وہ کسی ایسے مرض میں یا ایسے سفر میں مشغول نہیں ہیں جو روزہ سے مانع ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مقبول بندہ کو جس کا رمضان بزرگانِ سلف کے رمضان کی، اکابر کے رمضان کی یاد تازہ کرتا ہے اور جس کی ہمت اللہ کے فضل وکرم سے عام طور پر دین کے تمام شعبوں میں، لیکن خصوصیت کے ساتھ دین کے اس اہم اور باعظمت شعبے صوم یعنی صوم رمضان میں بہت بلند ہے، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دوسرے بندوں کی ہمت بڑھانے کے لیے اور ان کو زیادہ سے زیادہ اس نعمت کو، اس دولت کو لوٹنے کے لیے، اپنے دیار مقدس سے یہاں بھیج دیا ہے تاکہ ہم اور آپ سب ان کے یہاں کے قیام سے، رمضان مبارک کے اعمال سے، رمضان المبارک کی دعاؤں سے اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھائیں۔

شکر اور قدر دانی

یہ سب احسانات ایسے ہیں کہ ہم اس کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تو کوئی کمی نہیں اور رمضان بھی بالکل سر پر آ گئے ہیں" قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ" جیسے حدیث میں آتا ہے کہ رمضان بالکل سر پر آ گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل

سے امید ہے کہ یہ دو چار دن بھی عافیت کے ساتھ گزر جائیں گے، اور ہم بظاہر اس وقت تک تندرست ہیں، کوئی ایسا مرض ہم کو لاحق نہیں ہے جو روزہ سے شرعاً اور طبعاً مانع ہو۔ اور پھر اس کی توفیق بھی شاملِ حال ہے کہ جو حضرات یہاں نہیں تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پہنچا دیا۔ اور بہت سے بھائی ایسے ہیں جو رختِ سفر باندھ چکے ہیں اور بعض روانہ ہونے والے ہیں، بعض رمضان المبارک کے زمانہ میں پہنچیں گے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تو اس احسان میں کوئی کمی نہیں رہی، رمضان کا مہینہ اپنی پوری برکتوں کے ساتھ آگیا ہے، جس کا قرآن وحدیث میں تذکرہ ہے اور جس میں ہمارے معاصی اور ہماری کوتاہی، ہماری ناقدری کی وجہ سے کوئی کمی نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی نعمت کی قدر کرنے میں کمی کرے، تو خود اس میں اس چیز کی کمی ہو جاتی ہے۔

ناقدری کی سزا

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس نعمت کی ہم نے قدر نہیں کی وہ نعمت اٹھالی گئی۔ اور جس نعمت کا استعمال صحیح نہیں ہوا یا اس کا کوئی بدل لوگوں نے اپنی طرف سے بنالیا تو اللہ تعالیٰ وہ چیز واپس لے لیتا ہے۔ مثلاً ہماری قوت گویائی تھی، آواز کی قوت تھی، جب سے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ ایجاد ہوا، اس میں بہت انحطاط آگیا ہے۔ اسی طریقہ سے جب یہ سواریاں نہیں نکلی تھیں، تو انسان کے اندر چلنے کی بڑی طاقت تھی، ایک ایک آدمی بیس بیس اور تیس تیس کوس چلا کرتا تھا، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر سواریوں کے لوگ پہنچ جایا کرتے تھے۔ لیکن جب سے یہ سواریاں ایجاد ہوئیں، اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے چلنے کی طاقت سلب کر لی یا بہت کم کر دی، اس طریقے سے آپ جس چیز کو بھی دیکھیں، جن ملکوں میں گھوڑوں کی قدر نہیں ہے، اونٹوں کی قدر نہیں ہے، وہاں ان کی نسل ختم ہوتی جارہی یا ختم ہوگئی ہے۔ ملک عرب کا گھوڑا مشہور تھا، ادب اور شاعری میں داخل اور ضرب المثل ہے، بلکہ بعض بعض زبانوں میں عرب کے معنی گھوڑے کے ہیں۔ لیکن جو حضرات عرب جاچکے ہیں، حج کے موقع پر یا کسی اور موقع پر انہوں نے سفر کیا ہے، ان کو معلوم ہے اور وہ شہادت دیں گے کہ گھوڑا گویا ملک عرب سے ناپید ہوگیا۔ اب گھوڑا نظر نہیں آتا۔ اونٹ جو وہاں سواری کا واحد جانور تھا اور اس کو ریگستان کا

جہاز کہتے تھے، بار برداری اور نقل وحمل کے لیے جس پر سب سے زیادہ اعتماد تھا اور جس کے متعلق قرآن شریف میں بھی تذکرہ ہے، حدیثیں بھی بھری ہوئی ہیں، تاریخ اور حالات کی کتابیں بھی اس کے واقعات سے لبریز ہیں، اور سارا حج اس پر ہوا کرتا تھا، جدہ سے مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اسی پر جایا کرتے تھے، اور مکہ معظمہ ومنی وعرفات اس پر جاتے تھے، پھر واپس آتے تھے، سارے مناسک اسی پر ادا ہوتے تھے؛ آج ان اونٹوں کا حال یہ ہے کہ آپ کو تبرک کے طور پر، یعنی زیارت جیسے ہوتی ہے ویسے آپ کو زیارت ہوگی۔ کچھ بدو اونٹوں پر آپ کو نظر آئیں گے، جو عرفات یا منی جائیں گے اور لوگ اشارہ کریں گے جیسے کوئی تحفہ ہوتا ہے: دیکھو! وہ اونٹ جا رہا ہے، جیسا کہ کہتے ہیں: "شہر میں اونٹ" وہ شہر میں اونٹ ہو یا نہ ہو، "عرب میں اونٹ" ہو گیا۔

یعنی عرب میں اونٹ نکلے تو انگلیاں اٹھ جاتی ہیں، دیکھیے! اونٹ جا رہا ہے، کیوں؟ اس لیے کہ اونٹ کی قدر نہیں کی۔ موٹریں اور تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو گئیں، تو اونٹوں کی نسل تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہیں، اور تعجب نہیں کہ کسی زمانے میں اونٹ دیکھنے کو بھی نہ ملے، دوا کے لیے بھی نہ ملے۔ تو ہماری ناقدریوں کی ایک سزا یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ رمضان کی دولت سے محروم کر دیتا، اور یا رمضان تو رہتا اس لیے کہ وہ بہر حال ہجری سال کا ایک مہینہ ہے لیکن اس کی وہ برکتیں ختم ہو جاتیں، اس میں عمل کرنے کا وہ ثواب نہ رہتا کہ ایک نیکی کرنے کا ثواب سات سو گنا تک یا اس سے زائد تک ہو، یہ ہو جاتا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔

برکتوں اور رحمتوں کا مہینہ

اللہ تعالیٰ نے رمضان مبارک کے ساتھ وہ ساری برکتیں رکھی ہیں، وہ ساری روحانیتیں اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہیں جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تھیں، اور خیر وبرکت کے زمانے میں تھیں، یعنی لوگ تو وہ نہیں رہے، رمضان کی برکتیں اور رحمتیں وہی ہیں۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا، یہاں تک کہ بڑے بڑے صاحب کشف وادراک بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ رمضان المبارک میں اب وہ خیر وبرکت نہیں ہے اور رمضان المبارک میں مغفرت کرانے کی اور عِتقٌ مِنَ النَّارِ کی اب وہ خاصیت نہیں ہے۔ یا رمضان المبارک میں نماز

پڑھنے کی، اور قرآن شریف کی تلاوت کی، اور نیکی اور غم خواری کرنے کی وہ خاصیت نہیں رہی، وہ اثر نہیں رہا، اور رمضان مبارک میں رحمت الٰہی کے وہ جھونکے اب نہیں چلتے، جو پہلے آندھی کی طرح چلا کرتے تھے۔ اس کا دعویٰ نہ کوئی فقیہ اور مفتی اور محدث کر سکتا ہے، نہ کوئی صاحبِ کشف وادراک۔ تو اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اب بھی باقی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان بالائے احسان ہے، نعمت برنعمت ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس وقت تک زندہ رکھا اور یہ رمضان مبارک ہم کو نصیب ہوا، تاکہ دونوں ہاتھوں سے ہم اس کی دولت لوٹیں۔

اور خاص طور پر ہمارے ان بزرگوں اور بھائیوں کا یہ گروہ بڑا خوش قسمت ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین سے تعلق نصیب فرمایا۔ کسی ذریعہ سے تبلیغ کے ذریعے یا اپنے بندوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے دینے کے ذریعہ سے، کسی سلسلہ میں داخل ہونے کے ذریعہ سے، مدرسہ میں تعلیم پانے اور یہاں سے فارغ ہونے کے ذریعہ سے، اور کچھ نہیں تو کم سے کم اطلاع اور واقفیت کے ذریعہ سے، اور اطلاع اور واقفیت ہمیشہ کافی نہیں ہوا کرتی، ہم اور آپ دیکھتے ہیں، اخباروں میں ہر طرح کی چیزیں چھپتی ہیں، پوسٹر لگائے جاتے ہیں، ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے، اعلان ہوتا ہے، لیکن یہ نہیں ہوتا کہ جو سنے وہ پہنچ جائے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کئی کئی بار سننے والے تو نہیں پہنچتے، ایک بار سننے والا یا بالواسطہ سننے والے پہنچ جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ حدیث جو حضور ﷺ کے وداع کے خطبہ میں ہے: "رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَىٰ مِنْ سَامِعٍ" ایسا بہت ہوتا ہے، ایسا بہت ممکن ہے کہ جس کو بات پہنچائی جائے، وہ اس سے زیادہ قدر کرنے والا اور یاد رکھنے والا ہو جس نے اس کو اپنے کانوں سے سنا ہے۔ ہم میں سے بہت سے بھائی ایسے ہیں جو کسی نہ کسی ذریعہ سے اس سلسلۂ خیر سے وابستہ ہو گئے، اور اس سلسلۂ خیر سے اس کا کسی نہ کسی طرح کا تعلق پیدا ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہاں پہنچا دیا، اپنے شوق سے پہنچ گئے، کسی ترغیب سے پہنچ گئے، کسی روحانی تعلق سے پہنچ گئے، کسی دوست کی دوستی میں پہنچ گئے، محبت میں پہنچ گئے، عقیدت میں پہنچ گئے، بہر حال پہنچ گئے اور پہنچ رہے ہیں اور پہنچتے رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا شکر ہے اور میرے لیے بھی بہت بڑی سعادت ہے، مجھ پر اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت اور احسان ہے

کہ اس رمضان مبارک کی آمد سے پہلے، اس کے داخل ہو جانے سے پہلے، اللہ تعالیٰ نے موقع دیا، اور اس رمضان کے سلسلہ کی، رمضان سے متعلق ہم ایک بات سن رہے ہیں۔ کہنے والے کے لیے بھی سعادت اور سننے والوں کے لیے بھی سعادت۔

بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ کو جب کسی کو کسی خیر سے نفع پہنچانا ہوتا ہے تو اس سے پہلے کوئی نہ کوئی بہانہ ایسا کر دیا کرتا ہے، کوئی پہلے سے ایسا کہنے والا، سنانے والا، دکھانے والا، متوجہ کرنے والا پیدا ہو جاتا ہے، نہ اس کا کمال اور نہ ان لوگوں کا کمال۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ پہلے سے کوئی بات کان میں ڈال دیتا ہے، کیا تعجب ہے کہ بہت سے بھائی یا اگر چند بھائی بھی ایسے ہیں، جو اس گزارش سے اور جو کچھ اس وقت عرض کیا جا رہا ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان کی ہمت بلند ہو جائے، اور اس مہمانِ عزیز کی قدر کریں جو چل چکا ہے، روانہ ہو چکا ہے اور اب پہنچنے والا ہے، تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔

قدردانوں سے کچھ باتیں

میرے بھائیو! اس کو تو وثوق اور جذب کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس گروہ میں ایسا تو کوئی نہیں ہوگا جو رمضان کے مقاصد کے خلاف کوئی جنگ کرے، یا بغاوت کرے، یا جان بوجھ کر رمضان مبارک کے فائدہ کو ضائع کرے، یا رمضان مبارک کے موضوع سے یا رمضان مبارک کے مقاصد سے اس کو اتفاق نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا ہوتا تو اس کو یہاں آنے کا کوئی موقع نہیں تھا، کوئی مجبوری نہیں تھی کہ وہ صاحب یہاں تشریف لائیں۔ یہاں تو وہی سب لوگ ہیں جو رمضان مبارک کی قدر پہچانتے ہیں، رمضان مبارک کا شوق رکھتے ہیں، اور رمضان مبارک کے شوق میں اپنے گھر کا آرام چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ یہاں بھی آرام کے بہت انتظامات ہوں گے، اور بڑے اونچے پیمانہ پر انتظامات ہوں گے۔ مجھے الحمد للہ یہاں کئی بار حاضری کا اتفاق ہو چکا ہے، لیکن بہر حال ایک گھر کا آرام ہوتا ہے، گھر کی سہولت ہوتی ہے، آدمی اپنی مرضی کا کھانا کھاتا ہے، اپنی مرضی کا افطار کرتا ہے، اپنی مرضی کے مطابق سوتا ہے، اپنی مرضی کے مطابق جاگتا ہے، اپنے معمولات بھی اپنی مرضی کے مطابق ادا کرتا ہے۔ یہاں ایک اجتماعی نظام ہوتا ہے۔ اس میں جہاں بہت سی باتوں کی سہولت ہے،

وہاں بعض باتوں کی دقت بھی ہے، جو لوگ گھر بار کے سب آرام کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں ان سے یقیناً اس بات کا خطرہ نہیں ہے کہ وہ رمضان کے خلاف کوئی سازش کریں گے، یا رمضان مبارک ضائع کریں گے یا وہ کمر باندھ کر آئے ہیں، ان کو خدانخواستہ کوئی ضد ہے، یہ تو کسی مسلمان کا شیوہ نہیں، مسلمان سے اس کی امید نہیں کی جاسکتی، چہ جائیکہ آپ حضرات جن کو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے دین کا ذوق عطا فرمایا ہے، اور اپنے خاص بندوں سے تعلق بخشا ہے۔ اندیشہ جس کا ہے وہ تین باتیں ہیں:

پہلی بات

ایک تو یہ کہ بعض مرتبہ آدمی ایسا کرتا ہے کہ کسی مقصد کے حصول کے لیے، کسی منزل پر پہنچنے کے لیے تو بہت اہتمام کرتا ہے، ناشتہ تیار کرنا اور سامان باندھنا وغیرہ، مثلاً حج ہی کو لے لیجیے، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ حج سے پہلے پہلے تو بہت اہتمام کریں گے، سارا گاؤ ں یا سارا محلہ سر پر اٹھالیں گے، دھوم مچ جائے گی کہ فلاں صاحب حج کو جارہے ہیں، دکان دکان کھڑے ہیں، یہاں سے کسی نے بتادیا ہے کہ وہاں پر فلاں چیز کی ضرورت ہوگی، تو وہ خریدنے کے لیے کھڑے ہیں، کہیں سے لوٹا خرید رہے ہیں، کہیں سے ٹارچ خرید رہے ہیں، کہیں سے سوئی دھاگہ خرید رہے ہیں، کہیں سے حج کی کتابیں خرید رہے ہیں۔ حج سے پہلے پہلے بڑا اہتمام، بھائی! ہم حج کو جارہے ہیں، مبارک ہو! مبارک ہو! اور سب لوگ دیکھ رہے کہ دن رات حج کا تذکرہ ہے، اور اس کے بعد اب بمبئی پہنچے، بمبئی میں بھی، بہت اہتمام، تجربہ کار لوگوں سے پوچھتے ہیں: بھائی تم حج کرچکے ہو، یہ بتاؤ، وہاں کس کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے، ایسا نہ ہو، وہاں کسی چیز کی ضرورت ہو اور مجھے میسر نہ آئے۔ اور یہاں سے بھی سب سے رخصت ہوتے ہیں، سب سے گلے ملتے ہیں، لوگ اسٹیشن پہنچانے جاتے ہیں۔ ہار پھول ان کو پہناتے ہیں، نعرے لگاتے ہیں اور شربت پانی سے تواضع کرتے ہیں اور جہاں بمبئی پہنچے، جو دو چار اعزہ ہوئے وہ بھی رخصت کرنے آتے ہیں۔

غرض حج سے پہلے پہلے بڑا اہتمام، لیکن جب وہاں پہنچ گئے، مکہ معظمہ اللہ نے پہنچایا، تو اب اہتمام کی طرف سے طبیعت فارغ ہوجاتی ہے۔ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ

جب وہ کسی چیز کا پہلے سے اہتمام کرلیتا ہے تو اس کے بعد بہت کچھ اس سے ہلکا ہو جاتا ہے اور اس کو ایک اطمینان سا ہو جاتا ہے، کہ میں اتنے اہتمام سے آیا ہوں۔ بھائی! آپ اتنے اہتمام سے آئے ہیں، اس اہتمام کا اصل وقت تو اب آیا ہے۔ یہ تو سب ''مقدمۃ الجیش'' تھا، تمہید تھی کہ بھائی حج کو جا رہے ہیں، لیکن اصل اہتمام تو مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد یا احرام باندھنے کے بعد ہونا چاہیے تھا، لیکن اکثر حاجیوں کو وہاں دیکھیں گے کہ لمبی تان کر سوتے ہیں، اس لیے کہ اہتمام کا جو کوٹہ تھا، وہ پورا ہو چکا ہے، گویا اہتمام کا بھی ایک کوٹہ ہے، اس کی ایک مقدار ہے، وہ اگر پہلے پوری ہو جائے تو بعد میں ضرورت نہیں، حج سے پہلے پہلے بھی بہت ہنگامہ، بہت ہنگامہ۔ بھئی! حج میں کیا کرتے ہیں؟ حج میں کیا ہوتا ہے؟ ذرا بتایئے سکھایئے، اور پہلا طواف بھی خوب کرلیا معلم کے ساتھ، ہر جگہ کی دعا، رکن یمانی پر پہنچے تو وہاں دعا، حجر اسود پر پہنچے تو وہاں دعا، ملتزم پر پہنچے تو وہاں گریہ وبکا، لیکن جب حج شروع ہو گیا تو اب جیسے معلوم ہوتا ہے کہ معلوم نہیں کتنے دن کی نیند باقی تھی، وہ نیند پوری ہو رہی ہے، اب سو رہے ہیں، اور اب چستی اور مستعدی اور وہ ذوق وشوق معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طریقے سے اور بہت سی مثالیں ہیں۔

ایک طالب علم ہے، جو امتحان سے پہلے پہلے تو بہت تیاری، بہت تیاری اور جاگ رہا، یہ کر رہا۔ امتحان شروع ہونے کے دن جب بالکل قریب آگئے تو اب آرام کر رہا ہے، اور اب کتاب بالکل نہیں دیکھتا۔ اور جب امتحان شروع ہو گیا تو امتحان کا کوئی اہتمام نہیں، بلکہ بعض بعض طالب علم ایسے ہیں کہ بہت جاگتے ہیں اور بہت پڑھتے ہیں، لیکن امتحان کی پہلی تاریخ کو جب پہلا پرچہ ہوتا ہے، اس میں غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ انسان کی ایک کمزوری ہے کہ جب کسی خانہ میں، کسی شعبہ میں، اپنے ذوق وشوق اور اہتمام کو خرچ کر لیتا ہے، تو دوسری جگہ کا حصہ بھی اس میں خرچ ہو جاتا ہے، گویا اب وہ فارغ ہو گیا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ گھر والوں سے رخصت ہوئے اور اپنے اپنے تمام کاموں کا انتظام کیا اور ہر ایک چیز کا بندوبست کیا کہ ہم سہارن پور جا رہے ہیں، سہارن پور جا رہے ہیں، اب مہینہ بھر ہم سے کوئی بات نہ کرے اور مہینہ بھر ہمیں کوئی خط نہ لکھے، اب تو حضرت کے یہاں جا رہے ہیں، وہاں رمضان کریں گے،

جب یہاں آگئے اور جگہ بھی مل گئی اور معلوم ہوا کہ یہ جگہ ہے، اور آج چاند ہوگیا، خدا کے فضل سے کل رمضان شروع، اب ایک طرح کا اطمینان ہوگیا، آسودگی ہوگئی، اب اس کے بعد گویا یہاں پہنچنا ہی کافی تھا۔ اور یہاں پہنچے تو سب کچھ ہوگیا۔ یہاں پہنچنا بے شک بڑی خوش قسمتی کی بات تھی اور بڑی توفیق تھی، لیکن یہاں کا پہنچنا تو مقصود نہیں تھا، اگر کہیں کا پہنچنا مقصود ہوتا تو مکہ معظمہ کا پہنچنا مقصود ہوتا کہ ﴿ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ ”جس نے وہاں قدم رکھے، امن سے ہوگیا“، اب وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ تو اگر کہیں کا پہنچنا مقصود ہوتا تو وہاں کا پہنچنا مقصود تھا، لیکن وہاں کا پہنچنا بھی کافی نہیں، اب عمل شروع ہوا ہے عمل ختم نہیں ہوا، ایک تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اہتمام میں کمی ہوجائے اور یہاں غفلت ہوجائے۔

میں آپ حضرات کی توجہ ادھر دلانا چاہتا ہوں کہ ایسا نہ ہو، بلکہ جب رمضان شریف شروع ہوجائے، اس وقت سے آپ کی مستعدی اور بڑھے اور بڑھتی ہی چلی جائے، یہاں تک کہ عشرۂ اخیرہ میں وہ حالت ہو، جو حدیث میں آتی ہے کہ جب عشرۂ اخیرہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ کمر کس لیتے تھے، اور أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ؛ فیاضی میں، غمخواری میں، اور تلاوت اور روزہ کے اعمال میں آپ تیز آندھی سے بھی زیادہ تیز ہوتے تھے۔ یہ بات نہ ہو کہ آپ یہاں تو بہت اہتمام سے آئے، لیکن رمضان شروع ہونے کے بعد اس بابرکت ماحول میں، اور اس بابرکت شامیانے کے نیچے آنے کے بعد، جیسا کہ بعض لوگ ہوتے ہیں کہ جلسہ میں تو بہت دور سے آئے، لیکن جلسہ میں آنے کے بعد سوگئے، تقریر ہورہی ہے، وعظ ہورہا ہے اور وہ سورہے ہیں، یہ نہیں چاہیے۔

ایک اندیشہ

دوسرا اندیشہ جس بات کا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کی عادات عبادات پر غالب نہ ہوجائیں، یعنی وہ عادتیں جو عمر بھر کی تھیں، وہ یہاں بھی اپنا اثر کریں؛ مثلاً یہ کہ بولنے کی عادت ہے تو یہاں بھی بول رہے ہیں، غیبت کرنے کی عادت ہے تو یہاں بھی غیبت کررہے ہیں، اور اگر فضول باتیں کرنے کی عادت ہے، زیادہ سونے کی عادت ہے، غصہ کرنے کی عادت ہے، تو یہاں بھی وہ سب چیزیں موجود ہیں۔ رمضان آنے کے بعد بھی بہت سی خراب

عادتیں باقی رہتی ہیں، حالانکہ شیاطین قید کردیے جاتے ہیں۔ حدیث کے شراح نے اس کی بڑی بڑی تشریحات کی ہیں کہ کون سے شیاطین قید کیے جاتے ہیں۔ پھر لوگ اشکال کرتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں، بہت سے گناہ ہوتے ہیں، بہت سے لوگوں پر نفس سرکش حملہ کرتا ہے، غصہ بھی آجاتا ہے، بعض لوگوں کی زبانوں سے سخت الفاظ بھی نکل جاتے ہیں، اس کے جوابات بھی دیے ہیں۔ اسی طریقہ سے آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ آپ ان عادتوں اور طبیعت کو گھر میں چھوڑ آئے ہیں، یہ آپ کی طبیعت کے ساتھ آئی ہیں، یہ سائے کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ ہیں، یہ آپ کا مزاج بن گئی ہیں۔ ہماری زبان میں گپ کرنا، تفریحی باتیں کرنا، اس کے اوپر یہاں بہت زیادہ پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور میرا بھی تجربہ یہ ہے کہ جتنا نقصان رمضان میں اور خانقاہوں میں رہنے والوں کو، ذکر کرنے والوں کو باتیں کرنے سے ہوتا ہے اور اس زیادہ بولنے کا جو اثر قلب پر پڑتا ہے، وہ واقعی نہ کھانے کا پڑتا ہے اور نہ سونے کا۔

یاددہانی

پہلی بات تو آپ کو یاد ہوگی کہ اہتمام میں کمی نہ ہو۔ لہٰذا مقصود پر پہنچ کر فارغ ہو جاتے ہیں، مدرسہ میں داخل ہوئے، اب پڑھنا اور محنت کرنا نہیں، داخل ہونے سے پہلے تو بہت اس کی خوشامد اس کی خوشامد، امتحان میں داخلہ کی تیاری بھی ہو رہی ہے کہ داخلہ کا امتحان بھی ہوگا، جہاں نام لکھ لیا گیا، اب حاضری بھی پوری پابندی کے ساتھ نہیں، انہماک بھی نہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ عادات عبادات پر غالب نہ آجائیں۔

مراقبہ اور استحضار

اور تیسری بات یہ ہے کہ اس رمضان مبارک کو آپ اگر یہ سمجھیں، یہ مراقبہ ہو جائے، یہ مراقبہ پورے طور پر قوی ہو، اور یہ استحضار ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد بہت سے رمضان نصیب فرمائے اور فرمائے گا، لیکن ان خصوصیتوں کا رمضان شاید پھر کبھی نصیب نہ ہو۔ اگر یہ بات پیش نظر رہی، یعنی اگر موقع ہوتا تو یہ چیز ایسی تھی کہ وصلی پر لکھ کر لگادی جاتی۔ مگر ہم نے تجربہ کیا ہے کہ لوگ شروع شروع میں بہت خیال کرتے ہیں کہ اگر اس بات کی وصلی لگادی جائے گی، تو ہر وقت نظر پڑتی رہے گی، مگر ایسا ہوتا نہیں، جہاں وصلی لکھ کر لگائی اس پر نظر پڑتی ہی

نہیں، وہی بات ہے۔ پہلے اہتمام، اس کے بعد فراغت، اس کے بعد اطمینان۔ وصلی لگانے سے پہلے خیال تھا کہ یہ بات ہر وقت پیش نظر رہنی چاہیے، اور لوح دل پر نقش ہونی چاہیے، اور آنکھوں کے سامنے ہر وقت رہنی چاہیے، اور جب وصلی لگی، اس پر کوئی آیت لکھی ہوئی ہے، یا کوئی حدیث لکھی ہوئی ہے، کوئی ہدایت لکھی ہوئی ہے، ہم اسے دیکھتے ہی نہیں، یہاں تک کہ اگر بعض لوگوں سے پوچھا جائے تو وہ کہہ دیں گے: صاحب! کبھی خیال نہیں ہوا تھا، آپ کے کہنے سے خیال پیدا ہوا، بہت دن ہوئے میری نظر اس پر نہیں پڑی۔ بہت سے لوگ آپ کے سامنے اس کا اعتراف کریں گے کہ سامنے دیوار پر جو وصلی لگی ہوئی ہے، تین مہینہ چار مہینہ سے اس کو غور سے پڑھا نہیں۔ خیال ہی نہیں آیا۔ اور سامنے نہ لگی ہوتی اور آویزاں نہ ہوتی تو شاید خیال رہتا۔ لیکن طبیعت میں ایک طرح کا سکون سا ہو گیا کہ لگی تو ہے، یہ انسان کی کمزوری ہے کہ جب وہ کوئی چیز کر لیتا ہے تو اس کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ ہے تو، موجود تو ہے، بہت سے لوگ ایسے ہیں، ان کی بڑی تمنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت میں جانے کا سامان کرنے کا موقع دیتا، تو ہم سے زیادہ کوئی مستحق نہ ہوتا اور دیکھنے والے دیکھتے کہ ہم کیا کرتے۔ اور والدین موجود اور حدیث کی تصریح موجود کہ وہ شخص بڑا نامراد ہے، ناکام ہے جو اپنے والدین کو پائے اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ بن جائے۔ لیکن کتنے آدمی ہیں جن کے والدین زندہ ہیں، یا والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے اور توجہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ گھر کی دولت، گھر میں جو چیز ہوتی ہے پھر اس کی قدر نہیں ہوتی۔ اسی طریقے سے اسی حدیث میں آیا ہے آپ نے فرمایا: ''خَابَ وَخَسِرَ'' وہ شخص ناکام رہے اور نامراد ہو کہ جو رمضان کو پائے اور رمضان کی قدر کر کے جنت میں داخل نہ ہو جائے، جنت کا استحقاق نہ پیدا کر لے۔ ہر سال رمضان آتا ہے اور چلا جاتا ہے تو کسی چیز کا وجود تنہا کافی نہیں، اس کا علم بھی ہونا چاہیے۔ جب تک کہ اس کی عظمت کا علم نہ ہو، اس کا شوق نہ ہو، اس وقت تک اس کا اثر پڑتا ہی نہیں۔

ایک نصیحت آموز واقعہ

ایک بزرگ نے واقعہ سنایا کہ حیدرآباد میں جب میر محبوب علی کا زمانہ تھا تو وہ رات کو پہرہ دیا کرتے تھے، جیسا کہ بعض خلفاء کے متعلق ہے، خاص طور سے عمر رضی اللہ عنہ فاروق اعظم

کے متعلق کہ وہ رات میں گشت کیا کرتے تھے، اسی طرح محبوب علی خاں بھی گشت کیا کرتے تھے کہ دیکھیں کیا تذکرے ہو رہے ہیں؟ کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ تو وہاں حیدر آباد میں ایک سواری ہوتی ہے، اسے جھٹکہ کہتے ہیں۔ بہت ادنیٰ درجہ کی سواری جیسے یہاں یکہ تھا۔ یکہ تو یہاں اب رہا نہیں، تو وہ جھٹکہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھوڑا، دبلا پتلا مریل سا اس میں چلتا ہوا اور دو تین آدمی اس میں بیٹھتے تھے۔ میر محبوب علی خان سرکار اپنے اوپر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، ان کا بڑا رعب داب تھا۔ بعد والے نظام کی طرح نہیں بلکہ اس کا بہت رعب تھا، وہ ایک مرتبہ جھٹکے میں بیٹھے اور انہوں نے جھٹکہ والے سے باتیں کرنی شروع کیں۔

''کہو بھائی! آج کل شہر میں کیا چرچا ہے؟'' اس نے کہا: ''صاحب! آج کل تو یہ چرچا ہے کہ سرکار نے فلاں عورت اپنے گھر میں ڈال لی ہے، یہی چرچا ہو رہا ہے۔'' وہ کہتا رہا اور میر محبوب علی خان صاحب واقعہ اطمینان سے سنتے رہے، جھٹکہ والا اطمینان سے باتیں کرتا رہا، اس کو یا ان کو کہیں بیڑی پینے کی ضرورت ہوئی، تو انہوں نے کہا: ''بھائی! ذرا ماچس لانا'' جھٹکہ والا ماچس جلا کر جو ان کے پاس لے گیا، اس لیے کہ بیڑی تو منھ سے لگی ہوئی ہے، تو ان کا چہرہ دیکھ لیا، چہرہ دیکھا تو منھ سے جھاگ نکلنے لگا، اور وہ بالکل آپے سے باہر ہو گیا، یعنی گھوڑے کا سنبھالنا اور جھٹکے کو چلانا مشکل ہو گیا، تو ان بزرگ نے کہا کہ نئی بات کون سی پیدا ہوئی، میر محبوب علی خاں وہی تھے جو آکر بیٹھے، وہی تھے جو باتیں کر رہے تھے، اور وہی ہیں جو برسوں سے وہاں حکومت کر رہے تھے۔ لیکن وہ شخص ان پر تبصرہ کرتا رہا، کوئی اثر نہیں ہوا، جیسے ہی معلوم ہوا کہ یہی میر محبوب علی خاں نظام دکن ہیں، سرکار یہی ہیں، تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور منھ سے جھاگ نکلنے لگے۔

تو ایسے ہی رمضان کا وجود، رمضان کا کسی گھر میں موجود ہونا بالکل کافی نہیں، یہ مثال تو کچھ بھی نہیں ہے، کوئی مناسبت نہیں ہے، لیکن میر محبوب علی خاں کیوں کہ اس شہر کے اور اس ملک کے حاکم تھے، تو جب اس کو معلوم ہوا کہ یہی میر محبوب علی خاں ہیں اور ان کے چہرہ پر نظر پڑی تو اس کی کیفیت بدل گئی، ورنہ وہ بنفس نفیس اپنے پورے جسم، اپنے پورے کپڑوں کے ساتھ، اپنے پورے القاب اور خطابات کے ساتھ موجود تھے، لیکن کوئی اثر نہیں تھا۔ تو رمضان کا موجود ہونا اور آنا اور چلا جانا کافی نہیں، اس کی عظمت کا استحضار بھی ہونا چاہیے، اس کے

چہرے کو پہچاننا چاہیے، جب تک آپ رمضان کے چہرے کو نہ پہچانیں گے، کچھ بھی نہیں۔ رمضان وہی ہے جو تیرہ سو برس سے آرہا ہے اور انہی ساری رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ آرہا ہے۔ جب آپ کو معلوم ہوگا، اس کا دن کتنا قیمتی، اس کی راتیں کتنی قیمتی، اس کا ایک ایک گھنٹہ، ایک ایک ساعت، ایک ایک منٹ کتنا قیمتی اور اس میں اللہ کے بندوں نے کیا کیا، تو آپ پر اثر ہوگا کہ رمضان کیا ہے۔

پہلا خطرہ تو یہ ہے کہ اہتمام پھر اطمینان، دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہماری عادات ہمارے فیصلوں پر اور اس ماحول پر اور یہاں کی جو خصوصیات ہیں، ان پر غالب نہ آجائیں۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ ہم اس کے وصول کرنے میں وہ مستعدی نہ دکھائیں جو دکھانی چاہیے۔ اور بس یہاں کا پہنچ جانا ہی کافی سمجھیں کہ بھئی! اللہ والوں کے پاس پڑے ہیں، ایسی عمدہ جگہ پر پڑے ہیں، ٹھیک ہے۔ نہیں، اس میں روزانہ آپ کی مستعدی میں اضافہ ہونا چاہیے اور اس کی عظمت بڑھنی چاہیے اور اس کی قدر ہونی چاہیے۔ اور آپ یہ سمجھیں کہ یہ رمضان اپنی بہت سے خصوصیات کے لحاظ سے شاید ہمارا آخری رمضان ہو۔ اللہ تعالیٰ پھر اپنے مقبول بندے کے زیر سایہ اور ان کے جوار میں رمضان نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے لیکن سمجھنا یہ چاہیے جیسے حدیث میں آتا ہے: ”صَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ“(1)۔ ”نماز پڑھ جیسے رخصت کرنے والے کی نماز ہوتی ہے“، جو دنیا کو رخصت کرنے والا ہے، اور جس نے گویا دوسری سرحد پر قدم رکھ دیا ہے، اور پر تول رہا ہے اب دوسرا قدم بھی رکھ دے، وہ جیسی نماز پڑھ سکتا ہے ویسے نماز پڑھے، تو ہمیں بھی ایسا روزہ رکھنا چاہیے اور ایسا رمضان گزارنا چاہیے کہ گویا یہ ہمارا آخری رمضان ہے۔ ہماری زندگی کا کم سے کم ان خصوصیات اور برکات کا آخری رمضان ہے۔

شانِ امتیازی پیدا کیجیے!!

اور بھائی چوتھی بات یہ ہے کہ اس رمضان میں اپنے اندر کوئی ایسی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو علامت بن جائے، جو یہاں کا تحفہ اور سوغات ہو، کہ ساری زندگی میں وہ آپ کا ساتھ دے اور جیسے ﴿نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾ [سورة

(1) رواه أحمد في مسنده، حديث رقم ٢٣٨٩٤

التحریم:۸] کہ ان کا نور ان کے آگے چلتا ہے، ان کے داہنے چلتا ہے، اور ان کے لیے کہا ہے کہ ہم نے ان کے لیے فرقان پیدا کیا، یعنی ایک امتیازی شان، وہ فرقان ہمارے لیے بھی ہو کہ اگر ہم دوکاندار ہیں، اگر ہم پیشہ ور ہیں، اگر ہم ملازم ہیں، اگر ہم کاشت کار ہیں، اگر ہم مدرس ہیں، اگر ہم معلم ہیں، اگر ہم واعظ ہیں، مقرر ہیں، ہم افسر ہیں، ہم ماتحت ہیں، ہم امیر ہیں، ہم غریب ہیں، ہم کسی بھی حالت میں رہیں، ہمارے اندر اس رمضان کی برکت رہے اور دیکھنے والے اس بات کی شہادت دیں کہ بھئی! معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سہارن پور میں رمضان گزارا ہے۔

حضرت گنج شکرؒ کی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو نصیحت

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جب خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ سے بیعت ہو کر رخصت لے کر چلنے لگے، انہوں نے کہا: ''دیکھو! اللہ کے بندوں سے ہر حق کے معاملات صاف کر لینا۔'' انہیں پہلے سے بھی خیال تھا، آنے کے بعد اب اور خیال آیا کہ میں نے فلاں بزاز سے کپڑا لیا تھا، کرتے کے لیے، پاجامے کے لیے، اور اس کے پیسے میں نے ادا نہیں کیے تھے، قرض تھا، جو کچھ بھی تھا، تو عبرت کی بات یہ ہے کہ جب وہاں گئے اور اس سے کہا: میاں! بزاز ہندو تھا یا مسلمان، غالباً یہ ہندو ہی تھا، اس وقت یہ کام اکثر ہندو ہی کیا کرتے تھے، کہ بھائی اتنے برس ہو گئے، تمہارے اتنے پیسے میرے ذمہ ہیں، میرے اوپر واجب ہیں، وہ لے لو۔ اس نے ایک مرتبہ سر اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھا اور کہا: ''معلوم ہوتا ہے تم مسلمانوں کے یہاں سے آ رہے ہو۔'' یہ لفظ تھے یعنی: ''معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے یہاں سے آ رہے ہو۔'' وہ دہلی کے لوگوں کو مسلمان نہ سمجھتا تھا، ہوں گے وہاں بڑے بڑے بزرگ ہوں گے، لیکن عام حالات ایسے تھے کہ جس کا جو پیسہ جس کے ذمہ ہو، وہ سمجھتا تھا کہ میرا مال ہے، پھر اس کی ادائیگی کی فکر نہ ہوتی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ نوجوان آدمی صورت سے طالب علم نظر آتا ہے، چار چھ برس پہلے کا یا آٹھ دس برس پہلے کا حساب دینے آیا ہے، چند پیسوں کا، چند آنوں کا۔ اس کو یاد رہا، چل کر آیا ہے، اس نے پہلے تو ان کو غور سے دیکھا، پھر کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے یہاں سے، مسلمانوں کی بستی سے آ رہے ہیں''۔ غالباً اس کے جواب میں حضرت محبوب الٰہی نے کہا ہوگا کہ ''ہم مسلمانوں کی بستی سے آ رہے ہیں،

ہم خواجۂ بزرگ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے یہاں سے آرہے ہیں"، تو رمضان گزارنے کے بعد چاہیے کہ لوگ کہیں اور یہ معلوم ہو کہ آپ نے سہارن پور میں رمضان گزارا ہے، ہم کو تمنا رہتی ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ آپ نے تبلیغ میں کوئی چلہ گزارا ہے، ہماری دیانت داری سے، ہماری شائستگی سے، ہماری رحم دلی سے، ہماری انصاف پروری سے، ہمارے ایثار اور قربانی سے، ہمارے اپنے آرام کو دوسرے کے آرام کے لیے قربان کرنے سے، لوگ یہ کہیں کہ آپ مسلمان ہیں یا آپ کا مسلمانوں کے اچھے گھروں سے تعلق ہے۔

بہتری کیوں نہیں؟ ابتری کیوں؟

اور اب یہ حالت ہے کہ مسجد سے نکلے اور ہم بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مرتبہ غیر مسلم ٹوک دیتے ہیں کہ میاں! ذرا خیال کیجیے، ابھی تو آپ مسجد سے نکلے ہیں۔ یہ واقعہ ہے ،میں یوں ہی محض فرضی بات نہیں کہہ رہا ہوں، ایسا ہوا ہے کہ ایک صاحب مسجد سے باہر نکلے اور باہر نکلتے ہی گالیاں دینی شروع کردیں، اس شخص کو جو مسجد سے باہر کھڑا تھا، پھول توڑ رہا تھا یا کچھ اور کر رہا تھا۔

گویا غیر مسلم کے دماغ میں یہ چیز بیٹھی ہوئی ہے کہ مسجد سے ان باتوں کو کوئی مناسبت نہیں، جو شخص مسجد میں تھا وہ گویا گالی گلوچ نہیں کرے گا، اس کو یہ امید تھی ،جب اس کی امید کے خلاف اس نے کیا، تو اس کو خیال پیدا ہوا کہ ابھی تو آپ مسجد سے، خانۂ خدا سے باہر گئے، ابھی گالی گلوچ کرنے لگے۔ ایسا ہی جب ہم رمضان گزار کر جائیں تو ہمارے اندر ایک تغیر ہونا چاہیے، غیر مسلم محسوس کریں کہ بھائی مسلمانوں کا رمضان بڑا انقلابی ہوتا ہے، انقلابی مہینہ ہوتا ہے، بدل ڈالتا ہے، یا جو لوگ ڈرتے تھے کہ میاں نہ معلوم کیا کہہ بیٹھیں، کیا گالی دے بیٹھیں ،وہ رمضان کے بعد اطمینان سے آئیں کہ انہوں نے ۲۹ یا ۳۰ روزے رکھے ہیں ،لیکن اب بجائے اس کے یہ ہوتا ہے، آپ تو خیر یہاں ہوں گے معتکف ہوں گے، کہ جو لوگ اپنے گھروں میں رمضان کرتے ہیں، پہلے سے ان کے گھر والے چوکنا ہو جاتے ہیں، ہوشیار ہو جاتے ہیں کہ اب روزے شروع ہیں، اب میاں صاحب سے، اب والد صاحب سے، اب شوہر سے، اب بھائی سے سنبھل کر بات کرنی چاہیے ،اس لیے کہ اب روزہ

ہے۔ گویا روزہ ایک ڈرنے کے قابل چیز ہوگیا ہے۔

جو بات رمضان سے پہلے نہیں کہی جاسکتی تھی، وہ اب کہنے کی جرأت ہو کہ رمضان میں کہنا، ابھی نہ کہو، ابھی مزاج درست نہیں، جب رمضان آئے گا اور ان کے اخلاق پر اثر پڑے گا اور سختی کے بجائے نرمی پیدا ہوگی اور خدا کا خوف بڑھے گا، تو جو بات کہنا ہزار خلاف مزاج ہو، کہہ دینا۔ لیکن معاملہ برعکس ہے، یعنی کہ رمضان سے لوگ ڈرنے لگے، ابھی نہیں، ابھی تو تمباکو کا اثر ہے، حقہ پیا کرتے تھے، صبح سے نہیں پیا، پان کھاتے تھے، تمباکو کھاتے تھے، صبح سے نہیں کھایا، اس لیے ان سے بات نہ کیجیے، اگر بات کہی تو اسی وقت اس کا جواب مل گیا، کہنے والا بھی پچھتایا کہ مجھ ہی سے غلطی ہوئی جو میں نے روزہ میں آپ سے کہہ دیا، افطار کے بعد کہنا چاہیے تھا۔ ماشاء اللہ! جب اللہ سے تعلق زیادہ ہے، جب تو خدا کے نیک بندے ڈریں، اور جب تعلق اس طرح کا نہ ہو تو اس وقت اطمینان ہو جائے، جب مسجد میں ہو تو آدمی کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ یہ اس وقت خدا سے زیادہ قریب ہے۔ منھ میں روزہ ہو تو آدمی کو اطمینان ہونا چاہیے کہ اس وقت یہ اللہ کی رحمت کے جھولے میں جھول رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر برس رہی ہیں، اب تو چاہے ان کو برا بھلا کہو، اب جواب نہیں ملے گا، لیکن معاملہ الٹا ہے۔

ایسے ہی یہاں سے جب آپ حضرات جائیں تو ہم میں آپ میں نمایاں تغیر ہونا چاہیے اور لوگ محسوس کریں کہ ایک بابرکت زمانہ ایک بابرکت جگہ میں گزار کر آرہے ہیں۔

نماز، تلاوت اور ذکر کی عادت ڈالیے!!

بھائیو! یہ دو تین باتیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ اس زمانہ میں قرآن مجید سے، اللہ کے ذکر سے، تسبیحات سے ایک مستقل تعلق پیدا کرلیں، وہ تعلق نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ رمضان میں ساری رات جاگتے ہیں، اور رمضان کے بعد پھر ان کی سب چیزیں ترک ہو جاتی ہیں۔ پھر نہ تہجد کی پابندی ہے اور نہ کسی اور چیز کی پابندی، یہ رمضان اس کے لیے نہیں آتا کہ آپ کا سال بھر کا کوٹہ پورا کر دیا کرے، یعنی رمضان میں سال بھر کا کوٹہ نکل جایا کرے، اس کے بعد پاؤں پھیلا کر سوؤ۔ بالکل چھٹی، کچھ کرنا نہیں۔

تقوی مزاج کا نام ہے

قرآن شریف میں آتا ہے: ﴿کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ۔﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۸۳] ''تمہارے اوپر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔

﴿لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾ کہا، ﴿لَعَلَّکُمۡ تُصَلُّوۡنَ﴾ نہیں کہا، ﴿لَعَلَّکُمۡ تَصُوۡمُوۡنَ﴾ نہیں کہا۔ یا ایسا کوئی اور لفظ نہیں کہا بلکہ '' لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ '' کہا، تاکہ تم متقی بن جاؤ، تقوی ایک مستقل صفت کا نام ہے۔ تقوی عبادت کا نام نہیں، تقوی خوف کا نام نہیں، تقوی تلاوت یا تسبیح کا نام نہیں۔ تقوی ایک مستقل صفت ہے، تقوی ایک مزاج ہے، تقوی ایک ملکہ ہے، تقوی ایک طبیعت ہے۔ رمضان تو اس لیے آتا ہے کہ ہم کو متقی بنائے، اور ہم اس کے بعد نمازی اور کچھ محتاط بھی نہیں بنتے۔

ایک بات اور........

یہ چند باتیں عرض کردی گئیں، رمضان شروع ہونے کے بعد دیکھا ہے کہ برابر کچھ کہنے سننے کا معمول رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً جمعہ کے دن یا ہفتہ میں کسی خاص دن علماء میں سے کوئی شخصیت آئی ہوئی ہے یا جس کا حضرت شیخ ارشاد فرمائیں، وہ کچھ بیان کرتے ہیں، اول تو کتابیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں کیا کم باتیں ہیں، اور حضرت تراویح کے بعد تھوڑی دیر کچھ ارشاد فرماتے ہیں، یا کبھی عصر کے بعد مغرب سے پہلے کچھ ارشاد فرمائیں۔ یہ سب چیزیں تو ایسی ہیں کہ آپ دوسروں کے لیے سوغات لے جائیں۔ یہ تو آپ کے لیے بالکل کافی ہیں۔ میں تو اس شوق میں کہ شاید اللہ تعالی اب کے رمضان میں کوئی حصہ سوواں، ہزارواں، لاکھواں کسی نسبت میں مجھے بھی نصیب فرمائیں، اس لیے میں نے یہ جرأت کی ہے کہ آپ کے سامنے بیان کردوں۔ اور پہلی بات پھر کہتا ہوں کہ انسان کی کمزوری ہے کہ جب وہ کسی چیز کے لیے شروع میں اہتمام کرلیتا ہے، تو بیچ میں فارغ ہوجاتا ہے، بیچ میں کرلیتا ہے تو آخر میں فارغ ہوجاتا ہے۔ آپ ایسا نہ کریں۔ آپ یہاں آئے، اچھا خاصا مجاہدہ کرکے، آج کل سفر ہی کون کم مجاہدہ ہے۔ گھر کے کام، وہاں کے حالات، مطالبات، وہاں کی ضروریات، وہاں کے تقاضے، یہ سب آپ ملتوی کرکے آئے مگر آکر آپ کی طبیعت فارغ نہ ہو، ذہن

فارغ نہ ہو کہ آگئے، بس اب کیا۔ نہیں! اہتمام کا وقت اب شروع ہوا ہے، اور کچھ ایسی چیزیں اپنے اندر پیدا کرلیں جو سال بھر نہیں عمر بھر کے لیے کافی ہوں، اور کچھ ایسے خلاف شرع کام جن میں ہم خدانخواستہ ابھی مبتلا تھے، ان کے ترک کا یہیں سے فیصلہ کرلیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ رمضان کا استقبال توبہ سے کریں اور اگر یہ بات نہ ہو اور ذہن کام نہ کرے، تو رمضان میں ضرور اپنی کوئی ایسی چیز جو خلاف شرع تھی، کسی کا مال ہمارے قبضہ میں تھا، ہم کسی کا حق دبائے بیٹھے تھے، کسی کی حق تلفی ہو رہی تھی، کوئی ہم سے سنت چھوٹ رہی تھی، کسی ایک چیز کو، دو چیزوں کو منتخب کر کے فیصلہ کرلیں کہ اب رمضان واپس جائے اور انشاء اللہ اس بارے میں ہم بہت محتاط رہیں گے۔ ہم نے فلاں بات فلاں خلاف شرع چیز کے بارے میں فیصلہ کیا کہ اب اس کو پھر ہاتھ نہیں لگائیں گے۔

بڑی آزمائش

ایک بات میرے ذہن میں نہیں رہی تھی، اب کہہ دوں کہ ہمارے نوجوانوں کے ساتھ ایک بہت بڑی آزمائش لگی ہوئی ہے کہ ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتے اور کسی ایک ماحول میں پورا وقت انہماک کے ساتھ نہیں گزار سکتے، چلنے پھرنے اور بازار میں جانے کی عادت ہوتی ہے، کچھ نظر کی بھی زیادہ احتیاط نہیں ہوتی، ان کے لیے خاص طور پر کہتا ہوں، لیکن میں اپنے کو بھی شامل کرتا ہوں اور آپ کو بھی اور بڑے بوڑھے، ادھیڑ سب کو ملا کر کہتا ہوں، کہ اوقات کی بڑی حفاظت کیجیے، جیسا کہ یہاں کا رمضان بہت ولانے والا اور بہت کچھ جھولی بھرنے والا ہے، اس کے اندر دوسری خاصیت بھی ہے کہ اگر اس کی قدر نہ کی گئی تو اس کا وبال بھی بہت ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ معصیت کہیں کی جائے تو اس کا ایک وبال ہوتا ہے؛ لیکن مسجد میں کی جائے تو اس سے کہیں زیادہ، غیر رمضان میں کی جائے تو اس کا ایک گناہ ہوتا ہے، لیکن رمضان میں اس سے کہیں زیادہ، اور حرم کا حال تو یہ ہے کہ وہاں از راہ معصیت ہر ارادے پر مواخذہ ہوتا ہے۔ ﴿وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [سورة الحج:٢٥]، وہاں ارادۂ معصیت پر مواخذہ ہوتا ہے، تو بعض بھائی یہاں پر ایسے آتے ہیں کہ بستر تو ڈال دیا دار جدید میں اور اس کے بعد شہر میں پھرنا، دوستوں سے ملنا اور بعض بعض مرتبہ تفریح اور تماشا میں بھی شریک ہو جاتے ہیں۔

انسانی کمزوری اور اس کا علاج

انسان کا قاعدہ ہے کہ جہاں غلط جگہ پر گیا، یا بازار میں گیا، وہاں نظر اٹھ ہی جاتی ہے۔ بعض مرتبہ آدمی کھڑا رہ جاتا ہے، اس سے بہت بچیے، اس سے شہر میں بدنامی بھی بہت ہوتی ہے، شہر کے بعض لوگ جو آپ کو غلط جگہ پر دیکھیں، یہاں آنے والوں کو پہچان لیتے ہیں۔ مدرسہ کے طالب علم پہچانے جاتے ہیں کہ صاحب! ہم نے انھیں تو وہاں تماشہ دیکھتے ہوئے دیکھا ہے، وہاں ایک مداری کھیل دکھا رہا تھا، اب مداریوں کی قسمیں بہت مختلف ہیں، ایک بہت ترقی یافتہ مداری بھی ہے میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا، اس کا خاص گھر ہوتا ہے، وہاں تماشہ دکھایا جاتا ہے۔ یہ بھی مداری کی ایک قسم ہے، کوئی مداری تماشہ دکھاتا ہے اور کوئی طالب علم وہاں کھڑے ہوگئے، تو لوگ کہیں گے: آئے تھے رمضان گزارنے اور وہاں کی فہرست میں نام لکھا ہوا ہے۔ اور گھر میں کہہ آئے کہ حضرت شیخ کے یہاں رمضان گزارنے جا رہے ہیں، ہم نے ان کو وہاں دیکھا ہے، ایک مداری ڈگڈگی بجا رہا تھا، یہ وہاں کھڑے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے، یا سب سے بڑے مداری کے یہاں ہم نے دیکھ لیا جاتے ہوئے، آتے ہوئے، یہ بڑے افسوس کی بات ہے، بہت ڈرنے کی بات ہے، اس سے تو آدمی اپنے گھر ہی رہے تو اچھا ہے، بجائے اس کے کہ یہاں آیا اور اظہار اس کا کیا، "اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ"۔ (۱) حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص میں کوئی بات نہ ہو اور اس کا اظہار کرے، وہ جھوٹ کی دو چادریں پہنے ہوئے ہے، یہ بھی "اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ" میں داخل ہے کہ اظہار اور اعلان تو اس کا کیا کہ رمضان گزارنے آئے ہیں، اور شہر میں ویسے ہی عوام کی طرح گھومتے پھرتے رہے، نہ نظر کی احتیاط، نہ زبان کی احتیاط، نہ کان کی احتیاط، یہ بڑی کمی کی بات ہے، اوقات کی حفاظت کیجیے، اسی ماحول میں رہیے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو احساس عطا فرمائے، اس ماحول سے نکلنے میں آپ زمین آسمان کا فرق محسوس کریں گے۔ قدم باہر رکھا تو معلوم ہوا کہ ظلمت کے مسکن میں آگئے، اور یہاں قدم رکھا تو ایک نورانی مرکز میں آگئے، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (۲)

---

(۱) رواه أبو داود في سننه، حديث رقم ٤٩٩٧

(۲) "رمضان اور اس کے تقاضے" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شائع کردہ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ، صفحہ ۳۲ تا ۳۹۔

رمضان المبارک تقوی کا مزاج بنانے کے لیے ہے[1]

بعد حمد وصلوٰۃ!

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراهيم:۷]

میرے قابل احترام دوستو، بھائیو اور بزرگو! میرا اس موقع پر کچھ عرض کرنا آپ حضرات کی خدمت میں جب کہ آپ اہل علم اور اہل طلب بھی ہیں، اور جن کا طلب اور صدق اس سے ظاہر ہے کہ یہ اپنے اپنے مقامات اور مشاغل چھوڑ کر رمضان مبارک کی بہار حاصل کرنے کے لیے اور اسے گزارنے کے لیے خدا کے ایک مقبول بندے کے پاس حاضر ہوئے ہیں، ایسے مبارک مجمع میں بغیر کسی تواضع کے عرض کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی صاحب بیان کرے اور میں اسے سنتا اور میرے قلب کی کچھ جلا ہو جاتی، یہ زیادہ اچھا تھا، لیکن میں پھر بھی اپنے بڑوں کے حکم پر بیان کر رہا ہوں، اگرچہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

شکر پر نعمتوں کی زیادتی ہوتی ہے

سب سے پہلے میں آپ حضرات کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ حضرات کو خدا نے یہ توفیق دی، اس کا سب سے زیادہ شکریہ ادا کرنا چاہیے، حق تعالیٰ شکر پر بے انتہا دولتوں سے

---

(۱) ۱۳۹۲ھ میں سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں رمضان گزارنے والوں کے سامنے کیا گیا خطاب۔

نوازتے ہیں، اور قرآن ان تمام تذکروں سے بھرا ہوا ہے، آپ حضرات اس بات کو بخوبی جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیاز ہے، اس کے مبارک صفات میں سے ایک صفت اور اسم ''شکور'' بھی ہے، کہ شکر پر اللہ تعالیٰ کے یہاں سے نعمتوں کی زیادتی ہوتی ہے، اور ناشکری پر سلب نعمت کا خطرہ ہوتا ہے۔ آپ حضرات ایسے مادیت کے دور میں یہاں تشریف لائے ہیں جہاں صرف مادیت ہی مادیت ہے، اور جہاں روحانیت کا خاص نام ونشان نہیں ہے، ایسے وقت میں یہاں تشریف لے آئے، یہ خدا کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت پر زیادہ شکر واجب ہے، ان باتوں سے آپ حضرات ناواقف نہ ہوں گے، لیکن تذکرہ کے لیے یہ بات بیان کردی، ہمیں لسانی شکر و عملی وقلبی شکر، اعضاء و جوارح اور ہر بُن مو سے خدا کا شکر بجالانا چاہیے۔

اس شکر کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری توجہ درمیان میں آنے والی ہیئتوں اور پریشانیوں کی طرف نہ جائے، اس لیے کہ جب بڑی نعمت ہوتی ہے تو پھر انسان کا دھیان درمیان میں آنے والی مصیبتوں کی طرف نہیں جاتا، چنانچہ جب کوئی بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو وہ بادشاہ سے ملنے کی خوشی میں درمیان میں آنے والی مصیبت کی طرف نہیں دیکھتا، اور وہ مصیبت اسے کچھ معلوم نہیں ہوتی، اگر اس سفر میں اس کی کوئی تذلیل کرے جسے وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا، لیکن وہ اسے بھی برداشت کرلیتا ہے، کیونکہ اس کے سامنے منظر ہوتا ہے بادشاہ کے دربار کا، اور بادشاہ سے ملنے کا اور بادشاہ سے مسکرا کر بات کرنے کا۔

جب انسان سفر کا ارادہ کرتا ہے تو وہ سفر کی نالیوں اور گڈھوں اور پہاڑوں کی طرف توجہ نہیں کرتا، اس لیے کہ اسے اصل سفر کی طرف توجہ ہوتی ہے، تو جب خدا نے آپ حضرات کو ایسی مبارک مجلس میں آنے کی توفیق دی کہ جس میں حاضر ہونے والا بھی محروم نہیں رہتا، هُمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسٌ، صف نعال میں بیٹھنے والا بھی خالی نہیں جاتا، جس طرح رحمت کے جھونکے چلتے ہیں تو اس وقت ایک باد بہاری کا جھونکا چلتا ہے، ہوشیار رہنا چاہیے کہ جب رحمت کا جھونکا چلے تو غافل نہ رہیں، بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس جگہ پر آپ

ہیں اگر یہاں سے آپ سوتے ہوئے بھی گزر جائیں تب بھی رحمت سے خالی نہ ہوں گے، تو ایسے وقت اور مبارک موقع پر آنے والی ناگواریوں پر آپ حضرات کوئی حرف شکایت نہ زبان پر اور نہ دل پر لائیں، ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ گناہوں کے انبار ہیں، اب اس نعمت عظمی کے وقت نہ آئی ہوئی مصیبت کو دھیان میں لائیں اور نہ بعد میں آنے والی مصیبتوں پر کوئی توجہ کریں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہماری زبان ہر وقت حمد میں لگی ہوئی ہو اور ہم اپنے عمل، قلب، اعضاء وجوارح اور ہر بُن مو سے خدا کا شکر ادا کریں۔

ویسے تو یہاں اس سے پہلے حقانی علماء اور ربانی علماء کے بیانات ہوگئے ہوں گے، باقی میں یہ باتیں حاشیہ کے طور پر عرض کر رہا ہوں، تو اس نعمت کا شکر اور تقاضا یہ ہے کہ ہم زبان اور قلب اور ہر اعضاء وجوارح اور عمل اور بُن مو سے خدا کا شکر ادا کریں، اور اس کے ساتھ فروتر چیزوں کو خاطر میں نہ لائیں۔

مبارک ساعتیں اور دن

اس وقت مجھے ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ خدا کی طرف سے ایک موقع اور ایک وقت ایسا دیا جاتا ہے جس کا سایہ طویل ہوتا ہے، جس کے سایۂ عاطفت میں رہنے والے باہر کے ہر خطرہ سے محفوظ رہ سکتے ہیں، کچھ گھڑیاں دن میں ایسی ہیں جس کا سایہ پورے دن پر پڑتا ہے، ہفتہ میں جمعہ کا دن ایسا مبارک ہے جس کا سایہ پورے ہفتہ پر پڑتا ہے، اور مہینہ میں کچھ دن ایسے ہیں جس کا سایہ پورے مہینہ پر پڑتا ہے، اور سال میں رمضان کا مہینہ ایسا ہے جس کا سایہ پورے سال پر پڑتا ہے، اور حج کا سایہ ایسا ہے جو پوری زندگی پر پڑتا ہے، اگر سال کے اور عمر کے اور ہفتہ کے مبارک دنوں کے سایہ میں رہنے والوں میں کوئی خطا ولغزش ہو جاتی ہے تو وہ بھی درگزر کردی جاتی ہے، تو اس شامیانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسا مضبوط اور ایسا وسیع ہونا چاہیے جس کا سایہ گھنا ہو، جس پر اگر اولے پڑیں یا اس پر سنگ باری بھی ہو تب بھی اس شامیانہ کے ٹوٹنے کا خطرہ نہ ہو، اگر یہ رمضان اچھا ہو جائے گا، تو پھر ہر ماہ

صلاح وعبادت ہے، اور خدا کے حکم کے اتباع کے ساتھ گزرے گا، اس لیے چاہے قابو سے باہر کردینے والے حالات ہوں یا دین سے ہٹا دینے والی چیزیں ہوں، لیکن اس کے باوجود ہم ہٹنے نہ پائیں، ایسا رمضان کا سایۂ عاطفت ہونا چاہیے۔

اس کے لیے ہمیں رمضان کو اس طرح گزارنا چاہیے کہ یہ ہمارے مزاج کو بدل دے، جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ دیکھنے میں یہ چھوٹا کلمہ ہے، اور اگر کہا جائے تو بھی یہ چھوٹا کلمہ ہے، ورنہ تو قرآن کا چھوٹا کلمہ بھی معجزہ ہے، تو اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رمضان ہے تو تقوی ہے اور رمضان گیا تو اب وہ تقوی نہیں ہے، اس کا نام تقوی نہیں ہے۔

تقوی مزاج کا نام ہے

تقوی مزاج کا نام ہے، تقوی عبادت کا نام نہیں ہے، عبادت اور ہے اور تقوی اور ہے، تقوی مزاج کا نام ہے، انسان عبادت تو کر رہا ہے، لیکن معاملات میں اور غصہ کی حالت میں اور دنیاوی حالات میں انسانی عبادت دھری کی دھری رہ جاتی ہے، تو اس کا نام تقوی نہیں ہے۔

اس پر ایک قصہ یاد آیا، عالم گیر بادشاہ بڑے بزرگ گزرے ہیں، انھوں نے بڑے بڑے اپنے وقت کے بزرگ دیکھے تھے، ان کے پاس ایک صاحب نے آکر اپنے پیر کی بڑی تعریف بیان کی، اور ان سے ملاقات وزیارت کی جب درخواست کی اور مقصد یہ تھا کہ مرید کا کام ہو جائے اور پیر کا بھی، جب بار بار اصرار کیا تو بادشاہ نے ایک بار ان سے ملاقات کا ارادہ کرلیا، اور کوتوال کو پاس بلا کر اس سے کان میں کچھ کہہ دیا، اب وہ مرید کیا جانے شاہی راز و نیاز کو، وہ مرید چلا گیا، اور اس کے پیر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے، بادشاہ نے ان پیر صاحب سے کچھ تصوف کے سلسلہ میں سوالات کیے اور پیر صاحب نے اس کے جوابات دینے شروع کیے، اس وقت پیر صاحب پر علوم ومعارف کھلنے لگے، اور انھوں نے ”وحدۃ الوجود“ اور مختلف موضوع پر بیان شروع کیا، بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی، مجلس جمی ہوئی تھی،

عین اس وقت کوتوال صاحب نے آ کر خبر دی کہ جہاں پناہ! غضب ہوگیا، فلاں خاں صاحب کو نور بافوں نے پیٹ ڈالا، یہ پیر صاحب بھی خان صاحب تھے، خاں صاحب کے پٹنے کی خبر سن کر جذبہ میں آگئے اور سارے معارف چھوٹ گئے، اور کہنے لگے: کون کہتا ہے کہ وہ خان صاحب ہے، اگر وہ خان صاحب ہوتے تو نور بافوں سے نہ پٹتے۔ تو خان صاحب کے پٹنے کی خبر سن کر پیر صاحب کو اشتعال آ گیا، جس سے بادشاہ سمجھ گئے کہ علم ہے عبادت ہے، لیکن مزاج نہیں ہے، تو یہاں بھی پیر صاحب کا مزاج نہ تھا۔

بلی کو چاہے جتنا سدھایا جائے اور اس کی چاہے جتنی تربیت کی جائے لیکن اگر چوہا سامنے آجائے تو پھر وہ کچھ نہیں دیکھتی، اس کا جذبہ تربیت پر غالب آ کر رہتا ہے، چار پانچ سال کی اس پر کی ہوئی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، تو رمضان کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت تو خاموشی بھی ہے اور عبادت اور ذکر و تلاوت اور ساری اچھائی بھی ہے، لیکن جہاں رمضان گیا پھر ویسا ہی پہلا حال ہو گیا۔

حضرت مولانا عبد القادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویٰ کے معنی ''لحاظ'' سے کیے، میرے علم کے مطابق سو دو سال کے عرصہ کے درمیان ایسا ترجمہ نہیں ہوا، حضرت مولانا عبد القادر صاحب دہلوی نے جتنا بہترین اردو زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا ہے ویسا اردو کے علاوہ غیر عربی زبان میں ترجمہ کبھی نہیں ہوا، اور بعض بزرگوں نے اس ترجمہ کو الہامی ترجمہ کہا ہے، تو انھوں نے تقویٰ کا ترجمہ ''لحاظ'' کا کیا ہے، یہ ''لحاظ'' وقتی جذبات کو نہیں کہتے، بلکہ ہمیشہ خیال کرنے کو کہتے ہیں۔

اگر کسی کو واقعی عظمت ہے کسی کی، مثلاً حاکم کی عظمت و سطوت کا خیال ہے یا بیٹے کی بڑائی کا خیال ہے تو اسے بھی ''لحاظ'' رہے گا، ہر وقت اور ہر حالت میں، اگر کسی پتھر پر پانی کی بوند مسلسل پڑتی رہے تو اس میں بھی گڑھا ہو جاتا ہے، یہ گڑھا ہونا ہی پتھر کا ''لحاظ'' ہے، تو یہ ''لحاظ'' ہمارے اندر آ جائے، اس طرح ہمیں اس رمضان المبارک کو گزارنا چاہیے۔

تو یہ رمضان رحمت و برکت اور مغفرت کا سایہ اور شامیانہ ہے، اور یہ ایسا مضبوط

اور وسیع ہونا چاہیے کہ پورا سال اس کی ماتحتی میں رہے، اس ماہ مبارک میں بڑی بڑی دعائیں قبول ہوں گی، اس ماہ مبارک میں جو دعا کی جائے گی، اور جو قرآن کی آیات زبان سے نکلیں گی، اور جو آنسو خدا کے حضور میں ٹپکیں گے، اس کا اثر صرف آپ ہی نہیں بلکہ آپ کے محلّہ اور آپ کے اطراف اور پوری دنیا محسوس کرے گی، پھر اتنا ہی نہیں بلکہ اس ماہ مبارک کا اثر پورے سال رہنا چاہیے، اب دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہاں کی برکات سے نوازے اور اس کے سایۂ عاطفت میں پورا سال گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، میں بھی آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں، میرے لیے بھی آپ دعا کریں۔ (۱)

(۱) "رمضان اور اس کے تقاضے" از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص ۴۰ تا ۴۹۔

رمضان المبارک اور اس کا لازم اور متعدی پہلو (۱)

صرف طاعات میں لگنا اور معصیت سے بچنا ''تقویٰ'' نہیں

بعد خطبہ مسنونہ!

بزرگو اور دوستو! کل جو میں نے آپ حضرات کی خدمت میں بیان کیا تھا وہ ذہن میں ہوگا، کل کے بیان کا خلاصہ یہ تھا کہ رمضان کا شکریہ ہے کہ اس کی بڑی قدر دانی کریں، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں شکر کی بڑی قدر ہے، اور اس کا بڑا مقام ہے، اور اس پر یہ آیت تلاوت کی تھی: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾، اور یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ شکر لسانی ہو، قولی ہو اور ہر بُن مو سے اور بدن کے ہر رونگٹے سے شکریہ ادا کر رہا ہوں، یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ جو یہاں رمضان گزار رہے ہیں ان کے لیے اس رمضان کی خصوصیت دوسرے رمضان سے زیادہ زمانی مکانی وغیرہ ہر حیثیت سے بہت اونچی ہے، اس کو کل بیان کیا تھا، اور یہ بھی کل کہا تھا کہ صرف طاعات میں لگنا اور معصیت سے بچنا یہ ''تقویٰ'' نہیں ہے بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ ''مزاج'' بن جائے، روزہ فرض اس لیے کیا گیا ہے کہ تا کہ تمہارے اندر صفت تقویٰ آ جائے، ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کہا، لَعَلَّكُمْ تَعْبُدُوْنَ یا لَعَلَّكُمْ تُصَلُّوْنَ یا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ یا لَعَلَّكُمْ تَخْشَوْنَ نہیں کہا، بلکہ یہ کہا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾، کہ عبادت میں لگنا یہ کسی مصلحت پسندی یا نفس پرستی کا نہ ہو بلکہ اللہ سے شرم کرنا یہ تمہارا مزاج اور طبیعت بن جائے، اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت مولانا عبد القادر صاحب دہلویؒ نے تَتَّقُوْنَ کا ترجمہ ''مزاج'' اور ''لحاظ'' سے کیا ہے، جب کسی چیز کا مزاج بن جاتا ہے، تو پھر اس

---

(۱) ۱۳۹۲ھ میں سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں رمضان گزارنے والوں کے سامنے کیا گیا خطاب۔

کے خلاف کتنے ہی احوال پیش کیوں نہ آئیں، لیکن اس کے کام میں تبدیلی نہیں آتی، وہ کام مزاج ہی بن جاتا ہے، وہ وہی کیا کرتا ہے جس کا مزاج بنا ہے، بعض لوگوں کا مزاج مثلاً حبِ مال کا ہوتا ہے، بعض کا مزاج مداہنت کا اور بعض کا مزاج لالچ کا ہوتا ہے، ہر ایک کے مختلف مزاج ہوتے ہیں، اسی طرح واقعی ایک مزاج بن جائے۔

رمضان مزاج بنانے کے لیے ہے

رمضان مزاج بنانے کے لیے ہی ہے، رمضان تو ناپا تلا ہے، کوئی اس میں اضافہ نہیں کر سکتا، اگر سارے عالم کے انسان یہ چاہیں کہ رمضان کو روک لیں تو روک نہیں سکتے وہ تو رویت پر موقوف ہے، رمضان میں تو ہمارے بہت سے دوست، بہت سی طیبات اور مستحبات میں لگے رہتے ہیں، اور منہیات سے بچ بھی جاتے ہیں، لیکن بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ روزہ تو رکھتے ہیں اور کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں، لیکن وہ جو منہیات رمضان اور غیر رمضان میں منع ہیں، اس سے نہیں رکتے، جہاں رمضان رخصت ہوا، وہاں طاعات بھی رخصت ہوئی، تو رمضان تقوی پیدا کرنے کے لیے ہے، یعنی مزاج بن جائے، اور "لحاظ" پیدا ہو جائے، تو یہ کل کا ہی سبق دہرایا ہے۔

نماز کا لازم اور متعدی پہلو

دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز میں ایک چیز لازم اور ایک چیز متعدی ہوتی ہے، طلبہ تو ان اصطلاحوں کو اچھی طرح جانتے ہوں گے، لازم تو یہ ہے کہ اس کا عمل اسی تک محدود رہ جائے، اس سے متجاوز نہ ہو، نماز کا لازم یہ ہے کہ نماز میں کَأَنَّهُ يَرَاكَ کا منظر ہو، احسان کی صفت نماز کے اندر پیدا ہو جائے، اگر یہ خدا کو نہ دیکھے تو خدا اسے دیکھ رہا ہے، یہ خیال دل میں پیدا ہو جائے، یہ نماز لازمی ہے۔ اور ایک نماز متعدی بھی ہے اور وہ کس طرح؟ دو طرح سے نماز متعدی ہے، ایک نماز پڑھنے والے کے اعتبار سے متعدی ہے، اور دوسرے دوسرے کے لحاظ سے بھی نماز متعدی ہے، نماز پڑھنے والے کے اعتبار سے نماز کا تعدیہ یہ ہے کہ ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ نماز جب ختم ہو جاتی ہے تب بھی متعدی رہتی

ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ نماز نماز پڑھنے والے کو فحشاء سے روکتی ہے، متعدی نماز سے اس بات کی توقع ہوجاتی ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے کو گناہ سے روکے گی، تو متعدی نماز کے لیے یہ معیار مقرر کیا ہے، ﴿ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ کہ نماز ہو تو گناہ نہ ہو، اور اگر نماز پڑھنے کے بعد نفس کی ترغیب رہی اور یہ گناہ کی طرف چل پڑا تو یہ نماز لازمی ہے متعدی نہیں ہے، اگر نماز پڑھنے والا گناہ سے رک گیا تو یہ نماز متعدی ہے نماز پڑھنے والے کے اعتبار سے۔

پھر اگر یہ نماز میں زیادہ متعدی کی صفات ہوں تو یہ اس پر ہی انحصار نہیں ہے کہ وہ نماز خود گناہ سے روکتی ہے بلکہ اگر نماز صحیح ہوجائے تو یہ نماز وہاں کے ماحول سے ٹکراتی ہے اور وہاں کے ماحول اور نماز کے مابین جنگ ہوتی ہے، پھر یہ نماز اصلاح، تذکیر، محاسبہ اور احتساب پر آمادہ کرتی ہے، اسی لیے آپ دیکھئے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو دعوت دی تو قوم نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دیکھا کہ ان میں اور قوم میں کیا فرق ہے؟ یہ جو حلال و حرام میں اور فساد اور صلاح میں اور خدا کی اطاعت اور معصیت پر اور مسئلہ اور غیر مسئلہ پر فرق کو معلوم کیا تو ان میں سے بعض فراست والوں نے سمجھ لیا کہ ان میں یہ چیز پیدا کرنے والی نماز ہے، وہ یہ سمجھ گئے اور کہنے لگے ﴿ يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ﴾ ۔[ھود: ۸۷] کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز اس سے روکتی ہے؟ اور قرآن نے ان کے اس سوال کی تردید نہیں کی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ نماز سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں، یہ متعدی ہونے کا دوسرا پہلو ہے، پہلا متعدی پہلو یہ ہے کہ نماز نماز پڑھنے والے کو بے حیائی سے روکتی ہے، پھر دوسرا متعدی پہلو یہ ہے کہ وہ نماز دوسروں کو برائی سے روکنے والی بنتی ہے، ورنہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ان کو نہ پہچانتی، لیکن یہ پہچان لینا کہ اس نماز نے ہی حضرت شعیبؑ کو ہم سے الگ کردیا ہے، یہ متعدی پہلو ہے۔

زکوۃ کا لازم اور متعدی پہلو

اسی طرح زکوۃ ہے، زکوۃ کا ایک تو لازمی پہلو ہے کہ اس سے فرض ساقط ہوتا ہے، اور

دوسرا متعدی پہلو یہ ہے کہ وہ مال کا تزکیہ کرتی ہے، لفظ زکوۃ خود صاف کرنے کو بتلاتا ہے، بعض نے کہاہے کہ زکوۃ مزکی ہے مال کا، پہلے زکوۃ نے مال کومزکی کیا، پھر انسان کومزکی کیا، اور پورے ماحول کوٹھیک کیا، اور پھر پورے علاقہ کے فساد کودور کرتی ہے، آپس کی جنگ کو دور کرتی ہے، عداوت اور دشمنی کو دور کرتی ہے، آپس میں صلاح پیدا کرتی ہے، یہ جتنی دنیا میں پارٹیاں بن رہی ہیں، وہ سب مال کی حرص کا نتیجہ ہے، اور یہی عداوت کا سبب ہے، اگر دنیا کے سارے انسان مال کا تصرف صحیح کریں تو یہ تمام خطرہ اور تمام فساد اور سارے انتشار اور یہ تمام طبقاتی عناصر اور تمام کشمکش ختم ہو جائے۔

حج کا لازم اور متعدی پہلو

اب آیئے حج کی طرف، حج لازم بھی ہے اور حج متعدی بھی، حدیث میں آتا ہے کہ جس کا حج مقبول ہو گیا وہ گویا ابھی پیدا ہوا ہے، یہ تو اس کا لازم ہے، اور حج کا تعدیہ اور نفع یہ ہے جسے خدا فرماتا ہے: ﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ اگر حج صحیح ہے تو وہ حج زندگی پر اثر ڈالے گا، حج کا اثر صرف ماضی سے ہی متعلق نہیں ہے بلکہ حال اور مستقبل سے بھی متعلق ہے، اسے بھی وہ حج متاثر کرے گا، اور روحانیت میں ترقی اور حالات میں تبدیلی پیدا کرے گا، اور پھر وہ حج سارے مفاسد، بدمعاملگی، بے وفائیوں اور برائیوں کو دور کرنے والا ہوگا، حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر حج ہمارا صحیح ہوتا تو دنیا کے معاملے ہی کچھ اور ہوتے۔

حج کے صحیح ہونے پر تعدیہ یہ تھا کہ پہلے حاجیوں کے قافلوں کے گزرنے پر لوگ اسلام لایا کرتے تھے اور اب معالہ بالکل برعکس ہے، آج تو حال یہ ہے کہ حاجی جدھر سے گزرتا ہے حق تعالی ہی معاف فرمائیں اور کوتاہیوں پر درگزر فرمائیں، ان کے گزرنے پر غیر مسلم اسلام تو کیا لاتے اسلام سے ہی دوری اختیار کر لیتے ہیں، گویا حج ان کے اسلام سے دور ہونے کا ذریعہ ہو رہا ہے، بندرگاہ پر جا کر آپ دیکھیے وہاں کے لوگ اچھے اچھے لوگوں سے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم کو اب کسی پر بھی اعتبار نہیں رہا، آپ بھی اپنی تلاشی کروایئے۔

رمضان کا لازم اور متعدی پہلو

اسی طرح رمضان کا بھی ایک لازم اور متعدی پہلو ہے، رمضان کا لازم یہ ہے کہ حدیث میں ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ کہ جس شخص نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کی شرط کے ساتھ اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اور رمضان کا تعدیہ یہ ہے کہ بعد کے مہینہ اور رمضان کے بعد کے اوقات میں بھی گناہ سے بچنا چاہیے، صاحب معاملہ یعنی خریدار ہیں یا بیچنے والے، حاکم ہیں یا محکوم، امیر ہیں یا غریب، متعلم ہیں یا معلم، کاشتکار ہیں یا تاجر، ہر حال میں یہ بات ہو کہ آپ روزہ دار کی طرح ہوں، جس طرح نماز کی علامت پیشانی پر ہے اسی طرح پیشانی پر ایسا نور ہو کہ جس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ کا روزہ ہے، آپ کا لینا دینا اور گھر کے معاملات اور برتاؤ بھی شہادت دے رہے ہوں اور روزہ کی تاثیر اور روزہ کی حقیقت کا کہ ہمارے روزے قبول ہیں، یہ روزہ کا تعدیہ ہے۔

بعض لوگ رمضان تک کا روزہ رکھ لیتے ہیں، یعنی رمضان تک گناہوں سے بچ جاتے ہیں، پھر رمضان کا تعدیہ ختم کر دیتے ہیں، گویا رمضان کی ایک شخصیت تھی پھر رمضان کے بعد دوسری شخصیت آ گئی، یہ اوپر کا طبقہ ہے، لیکن یہ بھی کوئی اعلیٰ نہیں، رمضان کی نورانیت اور برکت رمضان تک باقی رہے، یہ تو لازمی پہلو ہے، لیکن اس کا متعدی پہلو یہ ہے کہ اس کا اثر پورے ماحول میں پہنچے، اور پورے ماحول میں اس کی خوشبو پھیلے، اور سب کو یہ معلوم ہو کہ انھوں نے روزہ رکھا تھا، اور روزہ رکھنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پیر نے اجازت دیتے ہوئے جو وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ حق کی ادائیگی کی جائے، چنانچہ جب دہلی آئے تو ایک طالب علم کی ایک کتاب کا حق تھا، کتاب خرید کر اور جلد بندھوا کر اسے حوالہ کی، دوسرے بزاز کے چند پیسے تھے، بہت دن ہو گئے تھے، اسے بھی وہ پیسے یاد نہ ہوں گے، اور حضرت کے پاس پیسے جمع ہونے کا سوال ہی نہیں تھا، پھر بھی جمع کر کے لے گئے اور اسے جا کر دیا، اس پر اس بزاز نے

جو مسلمان نہیں تھا جو بات کہی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، اور دل پر لکھ لینے کے قابل ہے، اس نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو، حالانکہ دہلی میں اسلامی حکومت تھی، اور سارے ہی مسلمان تھے، لیکن ان مسلمانوں سے پہلے جو اجودھن پر حکومت کرنے والے تھے، ان کا بھی یہی حال تھا، تو مسلمان اور ان پہلے غیر مسلمان میں کوئی فرق نہیں تھا، تو مسلمان اور پہلے بھی یہاں تھے لیکن اب جو ان کے حالات میں تبدیلی آئی ہے وہ کسی سچے مسلمان کے پاس جانے سے ہی آئی ہے، یہ اس غیر مسلم نے سمجھا، اب آج کے مسلمان کا حال بازار میں جا کر دیکھیں کہ مسلمان کے بارے میں ایک تاجر اور کاشتکار اور بازار کے انسان کا کیا خیال ہے، آج ہر اعتبار سے کوئی ہمارے پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں۔

حضرات! میں کیا کہوں، میرا منہ تو ہے نہیں کہ کچھ کہہ سکوں، آج جو حالات دنیا میں ہو رہے ہیں وہ آنے والے نہیں بلکہ خود ہماری مسجدوں سے باہر آگئے ہیں، وہ سارے حالات غفلت کے اور الحاد اور بے دینی کے اور دینی استخفاف کے اور میں آگے بڑھ کر کہوں کہ ایسے احوال پیش آرہے ہیں کہ مشکل سے کوئی دین پر باقی رہے، حدیث کے فرمان کے مطابق دین پر باقی رہنا ہتھیلی میں آگ رکھنے کے مرادف ہوگیا ہے، آج ہواؤں میں خود معصیت ہے، ہواؤں سے معصیت پھیل رہی ہے۔

اس وقت ساری دنیا کا رجحان اور بعض دنیا میں کھل کر اور بعض دنیا میں اندرونی اعتبار سے یہ احوال ہو رہے ہیں کہ دین سے بے اعتنائی کی ہوا تیزی سے چل رہی ہے، اس وقت ہم جس دنیا میں قدم رکھنے والے ہیں وہ ایسا ہے کہ آنے والا زمانہ پچھلے زمانہ سے بہت سخت ہے، اس وقت کے لیے ہم اتنی محنت کرلیں، نمازوں سے بھرلیں، عبادت، تلاوت، ذکر وغیرہ سے بھریں، اور خوب بھر کرلے جائیں تاکہ پورے سال بلکہ پوری زندگی تک راسخ ہوجائے، اس کی محنت کرلیں، یہاں اللہ کے بہت بڑے بندہ کے سایۂ عاطفت میں رہنے کی توفیق ہوئی ہے جہاں ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول کی آواز ہوتی ہے، اور اس طرح ذکر ہوتا ہے جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہوں، ایسے ماحول میں خوب محنت کریں۔

بہت کم ہوں گے جو آدھا قرآن پڑھتے ہوں گے، بلکہ اس سے زیادہ ہی یہاں پڑھنے والے ہوں گے، ایسے ماحول میں اگر محنت کر کے ہم ایک جذبہ اور نورانیت اور بیٹری کا پاور لے کر یہاں سے گئے تو خود بھی ہم بڑے ماحول میں حفاظت سے رہ سکیں گے بلکہ اتنی محنت کر کے جائیں گے کہ پورا ماحول ہم سے نفع حاصل کرنے والا بنے۔

ایک تجربہ کی بات

ایک بات تجربہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر رمضان جمعیت خاطر کے ساتھ گزر گیا تو سارا سال جمعیت خاطر کے ساتھ گزرتا ہے، زاد المعاد میں بھی لکھا ہے کہ صرف اتنی ہی بات نہیں ہے جو اوپر کہی گئی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جمعہ میزان ہے ہفتہ کا، اور رمضان میزان ہے سال کا، اور حج میزان ہے پورے عمر کا، جس کا جمعہ اچھا گزرا اس کا پورا ہفتہ اچھا گزرے گا، جس کا رمضان اچھا گزرا اس کا پورا سال اچھا گزرے گا، اور جس کا حج اور اس کے ارکان اچھی طرح گزرے اس کی عمر اچھی طرح گزرے گی، اگر ہم نے ان اوقات کے اندر صحیح محنت کر لی تو ہم دوسروں کو بھی متاثر کر سکیں گے اور آنے والے ان حالات میں جو ہندوستان میں اور ہمارے علاقہ میں شدت سے پیش آنے والے ہیں اس میں بھی ہم جم سکیں گے۔

مقابلہ کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے انتظام ہو، اس کے لیے ہتھیار ہوں اور وہ مضبوط ہوں، ہاتھ ہوں اور وہ مضبوط بھی ہوں، ورنہ اگر ہاتھ کمزور ہوں یا ہتھیار کمزور ہوں تو مقابلہ کے وقت وہ کیا کام دے سکے گا، تو ہتھیار بھی ہوں اور اچھے ہتھیار ہوں، اور ہاتھ بھی مضبوط ہوں اور جگہ بھی صحیح ہو، تب ہتھیار صحیح کام کر سکتے ہیں، تو اگر ہم یہاں محنت صحیح کریں گے تو وہ ناموافق حالات میں کام کرے گی، بے شک نماز فحشاء سے روکنے والی ہے اور تمام لازم اور متعدی خاصیت کی حامل ہے، لیکن وہ صلاۃ ﴿هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾ نہ ہو۔

اور روزہ یقیناً ڈھال ہے، لیکن جب تک اس کے اندر سوراخ نہ ہو، سوراخ والی ڈھال ہرگز کام نہیں دے سکتی ہے، تو محنت کر کے عبادت کے لازمی اور متعدی پہلو ہم حاصل کرنے والے بنیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (۱)

(۱) ''رمضان اور اس کے تقاضے'' از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص ۵۰ تا ۶۴۔

رمضان المبارک کا پیغام (۱)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. ﴿يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

[سورۃ البقرۃ:۱۸۳]

روزے کی فرضیت میں انسانی فطرت کی رعایت

میرے دینی بھائیو! بزرگو اور عزیزو! میں نے ابھی آپ کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیت پڑھی ہے جس سے رمضان المبارک میں روزہ کی فرضیت کا اعلان ہوا اور تمام مسلمانوں کو، اس زمانہ کے مسلمانوں کو اسی آیت سے علم ہوا اور قیامت تک یہی آیت اس کی دلیل رہے گی۔ اس میں کچھ باتیں ہیں سوچنے اور غور کرنے کی، نکتہ کی، پہلے ہم اس کا ترجمہ کریں گے پھر ایک خاص بات کی طرف اشارہ کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو''۔ اس خطاب میں بھی بڑی بلاغت وحکمت ہے، کہ ایک ایسی چیز جو نفس پر شاق ہے، دشوار ہے، جس کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت ہے؛ اس کی بنیاد ایمان کو بنایا گیا اور پہلے ایمان کا تذکرہ کیا گیا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، اللہ تعالیٰ کی تمام باتوں کو قبول کرنے کا عہد کر چکے ہو، اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہو، اور اپنے کو اللہ کے حوالے کر چکے ہو کہ وہ ہمارا مالک ہے، ہمارا حاکم ہے، جو حکم دے گا ہم اس پر عمل کریں گے؛ اس سے مطلب نہیں کہ اس میں کچھ مزہ ملے گا یا نہیں، دنیاوی فائدہ ہوگا یا نہیں، وہ آسان ہے یا مشکل ہے، ایک بات ہے یا دس باتیں ہیں، ایک مرتبہ کرنا

(۱) جمعۃ الوداع ۲۶ / رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ کو دائرہ شاہ علم اللہ (رائے بریلی) کی مسجد میں کی گئی تقریر۔

ہوگا یا دس بیس مرتبہ کرنا ہوگا، سو پچاس مرتبہ کرنا ہوگا، اس سے کوئی بحث نہیں؛ ہم نے اللہ کی غلامی قبول کرلی، اس کی عبودیت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا، اور اعلان کردیا کہ ہم تو حکم کے بندے ہیں، جو وہ حکم دے گا ہم اسی پر عمل کریں گے؛ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی حکیم ذات ہی اس حکم کو اس طرح شروع کرسکتی ہے، ورنہ دنیا کے جو قوانین ہیں، جن باتوں کا حکومتیں اعلان کرتی ہیں، اور جو نئے نئے قوانین بنتے ہیں، اور جو نئی نئی پابندیاں عائد ہوتی ہیں؛ ان کے لیے کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ کروگے تو بچ جاؤگے، اس پر عمل نہ کروگے تو سزا پاؤگے بس، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، حالانکہ وہ حاکم مطلق ہے، زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ہے، اور سب کی زندگیاں، سب کی جانیں، سب کی عزتیں اسی کے قبضہ میں، کسی طرح کہہ دیتا، کہہ سکتا تھا، اس کا حق تھا، لیکن اس نے کہا: ﴿ یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ﴾ ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو“۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہم تمام مسلمانوں کی قوتِ ایمانی کو آواز دی ہے، قوتِ ایمانی کو جگایا ہے، اور اس کو بنیاد بنایا ہے، اے وہ لوگو! جو اس بات کا عہد کرچکے ہو کہ ہمیں تو بات ماننا ہے، ہم تو حکم کے بندے ہیں، ﴿ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ﴾ ”تم پر روزے فرض کیے گئے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے“۔

یہ انسان کی فطرت ہے، اللہ تعالیٰ فطرتِ انسانی کا بنانے والا، اس کا خالق ہے، اس کی رعایت کرنے والا بھی ہے، کسی مجبوری سے نہیں، اپنی حکمت سے بھی، اپنی رحمت سے بھی، کہ جب وہ کسی بات کا حکم دیتا ہے تو اس بات کے لیے زمین تیار کردیتا ہے، تاکہ انسان اس کو آسانی سے قبول کرسکے، اس لیے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کو انوکھی اور نرالی معلوم دیتی ہے، اس سے گھبراتا ہے اور چونک اٹھتا ہے، اچھا! یہ بھی کرنا ہوگا؟ لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ یہ ہوتا آیا ہے، لوگ کرتے رہے ہیں؛ تو پھر وہ اس کو سنتا ہے، خوشگواری کے ساتھ مانتا ہے اور آسانی کے ساتھ، تابعداری کے ساتھ۔

”اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے“،

چنانچہ، مذاہب اور اخلاقیات کی تاریخ سے، اور قوموں اور ملکوں کی تاریخ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ ہر مذہب میں کسی نہ کسی شکل میں روزہ رہا ہے۔ مذہبی اور تاریخی کتابوں میں

تفصیل موجود ہے کہ اس کی کیا شکل اور کیا تعداد تھی؟ کیا وقت تھا؟ کہاں سے شروع ہوتا تھا؟ کیا پابندیاں تھیں؟ یہ ایک علمی تاریخی مسئلہ ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

تقوی کا صحیح مفہوم

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ''تا کہ تم متقی بن جاؤ''، یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلائی ہے، جب کسی زبان کا لفظ کسی زبان میں آتا ہے، تو اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصلی معنی کھو دیتا ہے، اس کے ساتھ ذہن کے سوچنے کے بہت سے طریقے لگ جاتے ہیں، انہیں میں سے ایک لفظ تقوی اور متقی کا ہے۔ ہمارے یہاں متقی کے معنی ہیں: بڑا عبادت گزار، راتوں کو بہت کم سوتا ہو، اور نہ سوتا ہو تو اور زیادہ متقی ہے، اور نہ کھاتا ہو اور اگر وہ مسلسل عبادت کرتا ہو تو اور بڑا متقی ہے، اور کثرت سے نماز پڑھتا ہو، نماز ہی میں اس کا دل لگتا ہو، جب دیکھو نماز پڑھ رہا ہے تو اور بڑا متقی ہے، اور ذرا ذرا چیز میں شبہ سے بچتا ہو متقی ہے، لیکن عربی میں جہاں سے یہ لفظ آیا ہے، تقوی کے معنی زیادہ عبادت گزار اور زیادہ شب بیدار کے نہیں ہیں، کہ بڑا عبادت گزار، شب بیدار، دن کو روزے رکھنے والا، رات کو عبادت کرنے والا، نمازیں پڑھنے والا ہے؛ بلکہ عربی زبان میں تقوی کے معنی ہیں: لحاظ کرنے والا، ہر کام کے کرتے وقت یہ لحاظ کرنا کہ یہ کام کیسا ہے؟ خدا کو راضی کرنے والا ہے یا ناراض کرنے والا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ دین کے مطابق ہے یا منافی؟

تقوی کے معنی ہیں: لحاظ و شرم کی عادت، پاس و لحاظ کی عادت پڑ جانا، مثلاً کوئی بچہ ہے، اس کو اگر صحیح تعلیم دی گئی ہے، اسے اچھا ماحول ملا ہے، اور اس کی صحیح تربیت کی گئی ہے، تو بڑوں کا ادب کرنے لگتا ہے۔ بڑوں کا ادب کے کیا معنی ہیں؟ کہ بڑوں کے سامنے کوئی ایسا کام، ایسی حرکت نہیں کرے گا جو بے ادبی میں شمار ہو، جس سے ان بڑوں کی توہین ہوتی ہو، یا ان بڑوں کا مذاق اڑتا ہو، یا حقارت ہوتی ہو، تو کہا جائے گا: اس لڑکے کو بڑا پاس و لحاظ ہے، ادب سیکھ گیا ہے۔ ایسے ہی طالب علم کا ادب و لحاظ، ایسے ہی مرید کا ادب و لحاظ، ایسے ہی ملازم کا ادب و لحاظ، تو تقوی کے معنی ہیں: ادب و لحاظ کے، کہ کرنے سے پہلے یہ سوچنا ہوگا کہ یہ کام کیسا ہے؟ اس کو خوش کرنے والا ہے یا ناراض کرنے والا ہے؟ اور اگر دین کے دائرہ میں

دیکھیے تو یہ دیکھنا کہ دین وشریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کی عادت پڑ جانا یہ ہے تقویٰ!

چنانچہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو فاروق اعظم اور امیر المؤمنین ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد صحابہ کرام میں سب سے بڑا درجہ انہی کا ہے، مسلمانوں کے خلیفہ تھے، امیر المؤمنین تھے، قرآن مجید ان کے سامنے ہی نازل ہوا، اور پھر اہل زبان ہیں، اور اہل زبان بھی کیسے ہیں کہ اس زمانہ کی ٹکسالی زبان جو ہر زمانہ میں معتبر رہے گی، سکہ رائج الوقت کی طرح، وہ وہیں پلے بڑھے، وہی زبان بولنے والے، اور صحابہ کرام وہ تھے کہ کسی چیز کے پوچھنے میں ان کو کوئی شرم نہیں آتی تھی، وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ اپنے علم کو صحیح کریں اور بڑھائیں، تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لے کر کہا: یہ بتاؤ کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ''امیر المؤمنین! آپ ایسے راستہ پر چلے ہیں کہ دونوں طرف کانٹوں کی باڑ لگی ہو (ادھر بھی کانٹوں کی قطار ادھر بھی کانٹوں کی قطار ہے) اور راستہ تنگ؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں! ایسا اتفاق ہوا ہے۔ انہوں نے کہا: پھر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: دامن سمیٹ لیا، آستینیں وغیرہ دیکھ لی کہ کہیں کانٹوں میں پھنس نہ جائے۔ کہا: یہی ''تقویٰ'' ہے، کہ زندگی اس طرح گزاری جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کام ایسا کر بیٹھیں جو خدا کو ناراض کرنے والا ہو، مسئلہ کے خلاف ہو، ناجائز ہو۔

تو اس آیت میں جس میں، بہت سے لوگ غور نہیں کرتے، کہ عربی زبان کے مزاج سے واقف نہیں ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روزے اس لیے فرض کیے گئے کہ ہم متقی بن جائیں، کہ جو ۲۹ دن یا ۳۰ دن روزے رکھے گا، رمضان ختم ہوگیا، عید کا چاند نکلنے لگا، تو وہ متقیوں میں ہوگیا، اللہ اکبر! کہ جس نے دن کو روزہ رکھا، کچھ کھایا نہیں، اور کئی کئی قرآن شریف ختم کیے، رات میں عبادت کی، اور تراویح سنی، یہ متقی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امتحان میں پاس ہوگیا، چھٹی ملی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ میں حلال پاک وطیب چیزیں، رمضان کے دن کے اوقات میں، اللہ کے حکم سے، اللہ کی مرضی سے، پاک وصاف چیزیں چھوڑیں، ایک دن دو دن نہیں، ۲۹ دن یا ۳۰ دن پانی نہیں پیا، حالانکہ پانی سب سے بڑی

نعمت ہے ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ [سورة الأنبياء: ۳۰]۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ ہم نے پانی ہی سے ہر زندہ چیز پیدا کی ہے۔ اور کھانا نہیں کھایا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، گھر میں وہ چیزیں موجود تھیں، حلال کمائی سے تھیں، لیکن نہیں کھایا، کیوں نہیں کھایا؟ کیوں نہیں پانی پیا؟ وہ چیزیں جو انسان بحیثیت انسان کے اور بشری تقاضوں کے کرتا ہے، تعلقات بھی اس میں ہیں، تصرفات بھی اس میں ہیں، اس میں اعمال بھی ہیں، یہ سب چیزیں ہم نے چھوڑ دیں، محض اللہ کے حکم سے، کہ اللہ تعالیٰ نے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک حلال و پاک چیزوں کے استعمال سے بھی روکا ہے کہ تمہارے حلق سے پانی کا ایک قطرہ نہ اترنے پائے، تمہارے حلق میں کھانے کا ایک دانہ نہ جانے پائے، تو جب ہم نے اللہ کے حکم سے یہ پاک وطیب چیزیں چھوڑی ہیں، تو اب جب رمضان المبارک ختم ہو گیا، تو اس سے یہ بات بھی ہم میں واضح ہو جانی چاہیے کہ جو ناپاک چیزیں ہیں اور ناپاک کیا ہیں؟ ہم آپ سمجھتے ہیں کہ جسے گندگی لگ جائے، گندی چیز پڑ گئی، وہ ناپاک ہو گئی، جب کہ سب سے بڑی ناپاک چیز گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

تو جس طرح ہم نے اللہ کے حکم سے رمضان کے دنوں میں حلال و پاک طیب چیزیں چھوڑیں، تو اسی اللہ کے حکم سے غیر رمضان کے دنوں میں گناہوں کا ارتکاب کیسے کریں؟ ہم اللہ کو ناراض کرنے والی چیزیں کیوں کر گزریں؟ ہم جھوٹ کیوں بولیں؟ ہم جھوٹی گواہی کیوں دیں؟ ہم کسی مسلمان کی دل آزاری کیوں کریں؟ ہم کسی کا حق کیوں ماریں؟ ہم بہتان کیوں لگائیں؟ ہم چوری کیوں کریں؟ ہم ظلم کیوں کریں؟ ہم کسی کا خون کیوں بہائیں؟ ہم کسی کا دل کیوں توڑیں؟ بس ساری چیزیں جو آپ جانتے ہیں، ان چیزوں سے بچنے کی عادت، خیال و دھیان پیدا ہو جائے، یہ ہے تقوی، یہ ہے رمضان کا مقصد، اور یہ تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے پانی چھوڑا، کھانا چھوڑا، اب اللہ کے حکم کے باوجود ہم چوری کریں، ہم جھوٹی گواہی دیں، ہم کسی کی زمین پر قبضہ کرلیں، ہم کسی کا حق ماریں، ہم بہن کو، پھوپھی کو، خالہ کو ترکہ میراث نہ دیں، ہم شادی بیاہ کے معاملات میں شریعت کے خلاف کریں، ہم فضول خرچی کریں، ہم رشوت لیں، ہم اسراف میں مبتلا ہوں، ہم جہیز کا

مطالبہ کریں، اور اس کے لیے جان تک لے لیں، اللہ تعالیٰ ہم سے رمضان کے ان ۲۹، ۳۰ دنوں میں طیب پاک نعمتیں چھڑا کر، خاص وقت میں چھڑا کر ہماری مشق کراتا ہے کہ ہم گناہوں کے ارتکاب سے بچیں اور اب جو کام بھی کریں، خیال کر کے کریں، پہلے سوچ لیں کہ یہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟

بس میرے بھائیو! رمضان المبارک کا سب سے بڑا تحفہ، رمضان المبارک کا سب سے بڑا عہد و مطالبہ، رمضان المبارک کا سب سے بڑا فیض اور اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں خیال کرنے کی عادت پڑ جائے اور خدا کی نافرمانی سے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنے کا خیال پیدا ہو جائے۔ یہ نہیں کہ ہم بے خیالی میں کر گزریں اور پھر یہ نہیں، بلکہ کر کے یہ سمجھیں کہ رمضان تو گیا، ہم نے کھایا پیا نہیں، روزے ہمارے پورے ہو گئے، اور یہ تو دنیاوی چیزیں ہیں، ان سے روزوں کا کیا تعلق، یہ تو زندگی کی چیزیں ہیں، بس اللہ جل شانہ ہم سے یہ مشق کرانا چاہتا ہے کہ ہماری یہ مستقل عادت پڑ جائے کہ ہم ہر کام کے کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ گھر سے نکلیے تو سوچ کر قدم اٹھایئے، یہ نہیں مطلب یہ ہے کہ جس کا تعلق حکم شرعی سے ہو، کسی کا حق متعلق ہو، اور حرام حلال کا مسئلہ، جائز و ناجائز کے دائرہ میں وہ آتا ہو، اس کو بغیر سوچے نہ کریں، اور یہ معلوم کر کے کہ یہ اللہ کو پسند نہیں ہے اور یہ شریعت کی طرف سے ممنوع ہے، اس سے اسی طرح بچیے بلکہ اس سے زیادہ بچیے جتنے کہ روزے کے دنوں میں، رمضان کے زمانہ میں، دن کے اندر آپ کھانے سے بچتے ہیں۔

رمضان المبارک کا اصل پیغام

دیکھیے! ہم آپ کو ایک بات نکتہ کی بتاتے ہیں، اسے لے کر جایئے، انشاء اللہ عمر بھر کے لیے کافی ہوگی، اور صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے پوچھا کرتے تھے کہ دین کے احکام بہت ہو گئے ہیں، ہم کو کوئی ایک بات ایسی بتا دیجیے جو جامع ہو، جسے ہم پلو میں باندھ لیں، اسی طرح ہم آپ سے ایک بات کہتے ہیں کہ ساری زندگی کے لیے ایک دستور العمل ہے، وہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ (۱)“ (تم

(۱) أخرجه البغوي في شرح السنة عن عبدالله بن عمرو بن العاص ۱/۱۰۵، حديث رقم: ۱۰٤

میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفسانی، اس کے دل کی چاہت، اس کے دل کی مانگ، طبیعت کی مانگ، تابع نہ ہوجائے اس کے، جس کو میں لے کر آیا ہوں) اور دیکھیے کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کے اخلاق اتنے بلند وعالی نہیں تھے، کوئی اپنی عبدیت پر اتنا فخر نہیں کرتا تھا، لیکن یہاں حضور ﷺ نے واحد متکلم کا صیغہ اختیار کیا ہے اور اپنی طرف نسبت کی ہے اور اس میں خاص وزن پیدا کردیا ہے، جس کو ادب کا ذوق رکھنے والے اور اسرار شریعت کے جاننے والے سمجھ سکتے ہیں۔ آپ یوں کہہ سکتے تھے کہ جب تک وہ اپنی خواہشات نفسانی کو اللہ کے احکام اور قرآن وحدیث کے تابع نہ کردے، لیکن یہاں پر حضور ﷺ کی نبوت کا جو مقام تھا، اور آپ کی نبوت کا جو حق تھا، اور آپ کی نبوت کا جو درجہ تھا، اور اس میں وہ اس وقت، مخاطب کی نفسیات کا، اور اس کے فہم کا، اور ذوق کا بھی آپ نے خیال فرمایا، کہ کم ایسا حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ صیغۂ واحد متکلم بولتے ہوں جیسا کہ یہاں پر (لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ) میں۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن یا صاحب ایمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات نفسانی اس کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں"۔ محمد بن عبداللہ جس کو لے کر کے آئے ہیں کہ آپ نام لے لیتے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب لے کر کے آئے ہیں، اس کے تابع نہ ہوجائے، اس لیے اس کے اندر ایک خاص قسم کی طاقت پیدا کردی، اس جملے میں غیرتِ نبوت ہے، اللہ کی غیرت کے بعد کوئی بھی غیرت اس کے برابر نہیں، بادشاہوں کی غیرت اس غیرت کے سامنے گرد، یہاں غیرت نبوت ہے، جس کو میں لے کر آیا ہوں، جس نے اس کے خلاف کیا، گویا کہ اس نے میری نبوت کے خلاف بغاوت کی، میرے منصب رسالت سے اس نے سرتابی کی۔

ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟

ہم لوگوں کو چاہیے کہ ہر کام کے کرنے سے پہلے یہ خیال کرلیں، ہم اسے اپنی خواہشات نفسانی سے تو نہیں کررہے ہیں، اور یہ حضور ﷺ کے فرمان، آپ کی شریعت اور قرآن وحدیث کے خلاف تو نہیں ہے؟ بس یہ ساری زندگی کے لیے کافی ہے۔

وہ کام جن سے لوگوں کے حقوق متعلق ہوں، جن سے نفس کا تقاضا پورا ہوتا ہو، یا کوئی بڑا دنیاوی فائدہ حاصل ہوتا ہو، جس کے لیے کوئی بڑا اقدام کرنا پڑتا ہو، اس سے پہلے یہ سوچ لیں کہ حضور ﷺ جو دین اور شریعت لے کر آئے ہیں، اس کے یہ تابع اور ماتحت ہے، یا اس سے یہ مستغنی اور بے نیاز ہے، بس ساری زندگی کے لیے کافی ہے، کوئی مرید ہوتا ہے، کوئی شاگرد ہوتا ہے، کوئی خط غلامی لکھتا ہے، یہ خط غلامی ہے، یہ مستقل خط غلامی ہے، اس کے سامنے مریدی، شاگردی، سب گرد ہیں، اس لیے کہ یہاں پر نبوت کا سوال آگیا کہ حضور ﷺ نے بحیثیت نبی کے فرمایا، بحیثیت کسی انسان کے نہیں فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہش نفسانی اس چیز کے تابع نہ ہوجائے جس کو میں لے کر آیا ہوں''۔ کوئی بادشاہ ہو، اپنے وقت کا سلطان ہو، کوئی بڑے سے بڑا فاتح ہو، کوئی بڑے سے بڑا اپنے وقت کا قارون وہامان ہو، کچھ ہو، سب کے لیے ضروری ہے کہ آپ ﷺ جو لے کر کے آئے ہیں، اس کے ماتحت اپنی زندگی کو کر دے، اس کے خلاف نہ ہو۔

اس کو آپ رمضان کا پیغام سمجھیں، یہی سبق آپ یہاں سے لے کر جائیں، یاد رکھیں کوئی بڑے سے بڑا کام ہو، لڑکے کی شادی ہے، لڑکی کی شادی ہے، جہیز کا مسئلہ بھی اسی میں آتا ہے، زمین کا معاملہ ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے ذرا سا آنکھ بند کر کے کام کرنے کی ضرورت ہے، زیادہ مسئلہ مسائل سے کام نہیں چلے گا، وہ ہم پوچھ لیں گے، زمین کے معاملہ میں ہم آزاد ہیں، جھوٹی دستاویز پیش کر کے، جھوٹی قسمیں کھا کر کے ہم لے لیں، آپ ملازم ہیں، ۵۰ ہزار کی رشوت مل رہی ہے، لاکھ کی رشوت مل رہی ہے اور آج کل تو رشوت کا دور دورہ ہے، تو ہر ایسے موقع پر جہاں کوئی حکم شرعی متعلق ہو یا حقوق العباد متعلق ہوں، جائز وناجائز کا شبہ ہو، وہاں پر اپنی خواہش نفسانی کو، اپنے مفاد کو، اپنی فتح اور اپنی کامیابی کو تابع بنادیں شریعتِ محمدی ﷺ کے۔

تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوسکتا ہے ''لَا یُؤمِنُ أَحَدُکُمْ '' آپ ؐ سے بڑھ کر کون مفتی ہے؟ آپ ؐ سے بڑھ کر کس کی بات کا اعتبار ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہشات تابع ہوجائیں

اس کے، جو میں لے کر آیا ہوں"۔ اس کو یاد رکھیں اور ہم دو تین باتیں کام کی آپ سے اور کہتے ہیں، پتہ نہیں کہ ملنا ہو یا نہ ہو، یا ملنا ہو بات کرنے کا موقع نہ ہو۔

کبائر سے توبہ کریں

ایک بات تو یہ ہے کہ گناہ سب سے ہوتے ہیں، اللہ معاف فرمائے، کون ہے جو معصوم ہے، ہم سے آپ سے تو چھوٹے گناہ، صغائر بھی ہوتے ہیں اور کبائر بھی ہوتے ہوں گے کہ تمام فقہاء وعلماء کا اجماع ہے اس پر، اور ابھی "فضائل رمضان" [1] میں بھی یہ بات پڑھی گئی کہ کبائر تو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اس لیے اچھا ہے کہ عید کے چاند سے پہلے اور آپ مسجد میں بیٹھتے ہیں نماز کے انتظار میں، قرآن شریف پڑھتے ہیں، سوچ کر کے کہ کوئی کبیرہ گناہ آپ سے ہوا ہے، خدانخواستہ احتیاطاً کہتا ہوں، تو کوئی کبیرہ گناہ ہوا ہو، اس سے توبہ کریں۔ توبہ کرنا فرض ہے، ضروری ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنا بھی ایک ذکر ہے، جیسے اللہ اللہ کہہ دیا، سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کہہ دیا، اور کوئی ذکر کہہ دیا، ایسے ہی یہ توبہ، یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ نہیں! یہ فرض ہے۔ اگر کبیرہ گناہ کیا ہے، تو توبہ کرنا فرض ہے۔ سوچ کر کے، یاد کر کے کہ زندگی میں کوئی گناہ کبیرہ ہوا ہے، اس کی اللہ سے توبہ کرے، اللہ سے معافی مانگے، اس کے یقین کے ساتھ کہ یا اللہ! مجھ سے فلاں وقت یہ گناہ ہوا ہے، میں توبہ کرتا ہوں، میرے اس گناہ کو معاف فرما۔

اس طرف بہت کم لوگ توجہ دلاتے ہیں اور کم توجہ کی جاتی ہے۔ جن چیزوں سے دنیاوی ترقی ہوتی ہے انہی کو زیادہ کہا جاتا ہے، یہ دینی باتیں کہنے والے کم ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ کبائر سے توبہ کریں۔

حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام کیجیے!

اور ایک مسئلہ یہ بھی ہے، علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حقوق العباد اپنی توبہ سے معاف نہیں ہوتے، یہاں تک کہ جس جس سے متعلق ہیں، وہ حقوق وہ معاف کرے، اس لیے اگر

---

(۱) فضائل رمضان از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ۔

حقوق العباد ہیں، کسی سے آپ نے قرض لیا تھا، آپ نے دیا نہیں، اور انکار کر رہے ہیں، کسی سے کوئی چیز مستعار لی تھی، اب آپ دیتے نہیں، کسی کی زمین پر آپ نے قبضہ کرلیا ہے، اور اسی طرح جن کا تعلق لوگوں سے ہے، بندہ سے ہے، ان کی ملکیت اور حق شرعی سے ہے، ان سے معاف کروائیے، چاہے آپ اس میں جتنی توہین محسوس کریں اور چاہے جتنا جھکنا اور دبنا پڑے، خوشامد کرنا پڑے، یہ بھی ضروری ہے، یہ کام بھی عید سے پہلے ہوجائے تو اچھا ہے، اور یہی دو تین دن ہیں، آپ کے ذمہ کتنے حقوق ہوں گے، نہ کوئی آپ بادشاہ ہیں، نہ سلطان ہیں، نہ آپ کوئی صدر جمہوریہ ہیں، وزیر اعظم، نہ وزیر اعلی ہیں اور نہ کسی بڑے محکمہ کے کوئی بڑے افسر ہیں، ان کے ذمہ تو سینکڑوں بیسیوں حقوق ہوسکتے ہیں، وہ جانیں ان کا کام، لیکن ہم آپ جو ہیں، کسی کے ذمہ دو حقوق العباد ہوں گے، کسی کے ذمہ تین، کسی کے ذمہ چار یا اس سے زائد، تو یہ بھی معاف کرالیجیے، ہم مسائل کی باتیں بتا رہے ہیں، بنیادی باتیں، کہ اگر یہ چیزیں دھیان میں نہ آئیں تو خدا کے یہاں قیامت کے دن دینا ہوگا، اور دیکھیے! یہاں تک آتا ہے کہ کسی کے ذمہ کوئی حق رہ گیا ہے تو اللہ تعالی قیامت میں اس کو دلائے گا، اس وقت نہ روپیہ ہوگا، نہ پیسہ ہوگا، تو کیسے دلائے گا؟ ایسے کہ اس کی نیکیاں جس کے ذمہ حقوق العباد ہیں، اس کو دے دی جائیں گی جس کا حق ہے، اگر ہم نے کسی سے کوئی رقم لی ہے، تو قیامت میں ہمارے پاس رقم تو ہوگی نہیں، نماز روزہ یا اور کوئی نیکی ہماری (اللہ محفوظ رکھے) اس کو دے دی جائے گی اور ڈرنے کی بات تو یہ ہے کہ جب اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی، تو اس کی برائیاں لے کر اس کے نامۂ اعمال میں ڈال دی جائیں گی، بڑے ڈرنے کی بات ہے۔

تو پہلی چیز جو ہم نے کہی، کبائر سے توبہ، حقوق العباد سے معافی مانگنا، اور اس کا تصفیہ کرلینا جلد سے جلد، اور عید سے پہلے کرلیں تو اور اچھا، اگر وہ صاحب یہاں نہ ہوں جن کا حق آپ کے ذمہ رہ گیا ہے تو آپ فکر مند رہیں، بے چین رہیں، پریشان رہیں، کہ کہاں ملیں گے ہم ان سے معاف کرالیں، یہ سب منصوصات شرعی ہیں، قرآن وحدیث کی باتیں ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔

بچوں کی دینی تعلیم وقت کا سب سے بڑا مسئلہ

تیسری بات یہ جو ہم آپ سے کہنا چاہتے ہیں کہ اپنے بچوں کی تعلیم کی فکر کیجیے، کم سے کم ان کا عقیدہ درست کرایئے کہ اللہ کے سوا دنیا کا چلانے والا، اس کارخانہ عالم کا چلانے والا کسی کو نہ سمجھیں، اور کسی کا اس میں عمل دخل نہ سمجھیں، اور یہ زمانہ ہے ہندو دیومالا کا، کہ وہ کورس کے نصاب کے ذریعہ سے پھیلایا جارہا ہے، ابلاغ عامہ کے ذریعے، ٹیلی ویژن، ریڈیو اس کے ذریعہ سے بھی، اور اخبارات، لٹریچر کے ذریعہ سے بھی، اور مجلسوں کے ذریعہ سے بھی، اور بعض ایسی جماعتیں اکثریت کی جو پورے ملک کے پیمانہ پر کام کررہی ہیں ان کے ذریعہ سے بھی، یہ بڑی ضرورت ہے کہ اپنی آئندہ نسل کے عقائد بچانے کی کوشش کی جائے۔

میں بہت کہا کرتا ہوں لیکن اچھی بات دس بار کہی جائے، پچاس بار کہی جائے کوئی شرم کی بات نہیں۔ لکھنؤ کے ایک بڑے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ہم نے کہا تھا کہ سوچنے کی بات ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کون تھے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام پیغمبر تھے، ان کے باپ پیغمبر تھے، یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام، ان کے باپ پیغمبر تھے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، یعنی وہ پیغمبر کے بیٹے تھے، پیغمبر کے پوتے تھے، اور خود ان کے بیٹے پیغمبر یعنی حضرت یوسف علیہ السلام، اور بہرحال پیغمبر زادہ تھے، ان کے جتنے پوتے نواسے تھے، سب پیغمبر زادے تھے، یہاں تو پیرزادوں کا خیال کیا جاتا ہے، علماء کی اولادوں کا خیال کیا جاتا ہے، کہ ان کا کیا پوچھنا؟

اب خیال کیجیے، اتنے بڑے پیغمبر کے بیٹے، کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا انتقال ہونے لگا، اس وقت آدمی سب بھول جاتا ہے اور یاد بھی رکھتا ہے تو دوسری باتیں، فلاں جگہ اتنا پیسہ رکھا ہے، اتنا قرض ہے، لے لینا، اتنی جائداد ہے، کچھ کہنے کا موقع ہوتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے۔

یہ پیغمبر تھے اور وہ پیغمبر کی اولاد تھے، انہوں نے کہا اور قرآن کریم نے اسے بیان کیا:

﴿أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ: مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي، قَالُوا: نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ [سورة البقرة: ۱۳۳] اے قرآن کے پڑھنے والو! سننے والو! کیا تم کو خیال

ہے، تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا، اور انہوں نے اپنے سب لڑکوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کیا اور ایسے موقع پر سب جمع ہو جاتے ہیں، ان سے کہا اور بولنے کی فرصت نہیں، وہ تو پیغمبر تھے، اللہ اللہ کرتے رہتے، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسے اس سے زیادہ اہم سمجھا، انہوں نے کہا: میرے بیٹو! پوتو! نواسو! ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِي﴾ ایک بات تم مجھے یہ بتادو کہ میرے بعد تم کس کو پوجو گے؟ تم کس کی عبادت کروگے؟ قرآن کریم اتنا بھی انتظار میں رکھنا نہیں چاہتا، فوراً جواب دیتا ہے، ورنہ بیچ میں ضرور یہ ہوگا: ابا جان! دادا جان! یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ اتنے دن تک آپ ہمیں بتاتے کیا رہے؟ اور ہم کس گھر کے ہیں؟ کس چمن کے پھول ہیں؟ اور ہم کس باغ کے پھل ہیں؟ اور ہم کن کی اولاد ہیں؟ ہمارے متعلق آپ کو شبہ ہے؟ لیکن نہیں ﴿قَالُوْا: نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ﴾ ہم اس کی عبادت کریں گے جس کی آپ عبادت کرتے آئے ہیں، آپ کے والد، ہمارے دادا اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، اپنے دادا کے بھائی اسماعیل علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے اور پھر ہمارے پردادا حضرت ابراہیمؑ، ان کے معبود کی عبادت کریں گے ﴿نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ﴾۔

گویا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: قبر میں ہماری پیٹھ نہیں لگے گی اور ہم چین و سکون کی سانس نہیں لیں گے، اس وقت تک جب تک اس کا اطمینان نہ کرلیں کہ تم لوگ کس کی عبادت کروگے؟ تم کس راستہ پر چلوگے؟ جب ان لوگوں نے یہ کہہ دیا، تو انہیں اطمینان ہوا۔

ہم کو اور آپ کو، سب کو چاہیے، کتنے آپ نمازی ہوں، کتنے آپ روزے دار ہوں، کتنے آپ میں سے عالم ہوں، میں صاف کہتا ہوں، سب کو یہ اطمینان حاصل کرلینا چاہیے، چاہے وہ ولی ہو جائے، اور لوگ شہادت دیں، غیب سے آواز آئے کہ "تم ولی ہو" کیا ولی بڑھ جائے گا پیغمبر سے؟ کوئی ولی بڑھ سکتا ہے حضرت یعقوب علیہ السلام سے؟ وہ سید الاولیاء تھے، وہ نبی برحق تھے خدا کے۔ جب ان کو یہ اطمینان حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں؟ ہم کو اس سے زیادہ اطمینان کرلینا چاہیے، ان کا زمانہ فتنہ کا زمانہ

نہیں تھا۔ میں صاف کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں جو برائیاں تھیں، خرابیاں تھیں، وہ اس طرح منتقل نہیں کی جاسکتی تھیں، جس طرح آج کے دور میں کی جارہی ہیں، آج غذا میں وہ چیزیں ملا دی گئی ہیں، آج پانی میں وہ چیزیں سرایت کر گئی ہیں، آج ہوا میں وہ چیزیں مل گئی ہیں، ہم جس ملک میں ہیں یہاں ہندو دیو مالائی ذہن ہے کہ کرشن جی کا یہ قبضہ تھا، وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، وہ جہاں اترے سونا ہی سونا بن گیا، رام جی کے قبضہ میں کارخانہ قدرت تھا، وہ اس دنیا کے پیدا کرنے والے، چلانے والے تھے اور اس سے کم درجہ کی جو چیزیں ہیں وہ بھی ہمارے لیے بہت خطرناک ہیں۔ آخری بات آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اپنی اولاد کے متعلق اطمینان حاصل کر لیجیے، ان کو دینی تعلیم دیجیے، اسلامی مکتب میں بھیجئے، مسجدوں میں مکتب قائم کیجیے، تعلیم کا انتظام کیجیے، اسکول میں پڑھتے ہوں تو کوئی وقت رکھیے، ٹیوشن رکھیے، استاد بلائیے، معاوضہ دیجیے کہ ہمارے لڑکوں کو اس قابل بنادیں کہ کچھ اسلامی معلومات حاصل ہو جائیں، اور موٹی موٹی باتیں دینیات کے متعلق، تعلیم الاسلام پڑھا دیجیے، ایسی چھوٹی کتابیں جو لکھی گئی ہیں پڑھا دیجیے، گھر کی عورتوں کو بھی تاکید کیجیے کہ اچھے اچھے قصے سنائیں اور دین کے متعلق بتائیں، اگر ایسا نہ ہوا ہندوستان میں، تو اندیشہ ہے کہ ۴۰-۵۰ برس بلکہ ۲۰-۲۵ برس بعد نسل کا بڑا حصہ دین سے بالکل ناواقف، اور اندیشہ یہ ہے کہ دین کا مذاق اڑانے والا، دین کی تحقیر کرنے والا نہ بن جائے۔

جگہ جگہ مکتب، مدرسے قائم کیجیے، جہاں قائم ہیں وہاں مدد کیجیے کہ ٹوٹنے نہ پائیں، ختم نہ ہونے پائیں، اپنے گھروں میں بھی انتظام کیجیے۔

اس ملک میں آپ کیسے رہیں؟

اور آخری بات یہ ہے کہ اپنے اخلاق ایسے بنائیے کہ آپ کے پڑوسی غیر مسلم متاثر ہوں اور اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو ان کے اندر، یہ کس قسم کے لوگ ہیں؟ راستہ سے جا رہے تھے، اینٹ پڑی تھی، ہٹا دی، نل کھلا تھا بند کر دیا، پچاسوں آدمی گزر گئے کسی کو خیال نہیں آیا، اس ملک میں رہتے ہیں، مسافر اتر رہے ہیں، چڑھ رہے ہیں، کسی کو توفیق نہیں ہو رہی، ہم گئے نل بند کر دیا، کسی نے پوچھا، اس کا جواب یہی کہ اللہ کی نعمت ہے، ہم اس ملک

میں رہتے ہیں، ہمارا یہ فرض ہے، اسی طریقے سے راستہ میں کوئی تکلیف دہ چیز ہو ہٹا دیں، نگاہیں نیچی ہوں، کسی غیر محرم کو نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں، اور آپ گالی نہ دیں، حد سے بڑھ کر غصہ اور بے جا غصہ نہ آئے، اسی طرح سے آپ محلہ میں رہتے ہوں، اہل محلہ کو اطمینان ہو کہ ہمارے مسلمان بھائی یہاں رہتے ہیں، یہاں بہو، بیٹیوں کی عزت محفوظ ہے، یہاں چوری کا بھی خطرہ نہیں۔

اذان کا معاملہ تھا، کسی نے کہا روکنے کو، تو ہندو کہنے لگے: ارے اسے نہ روکو، اس کی وجہ سے یہاں، بہت سی بیماریاں اور وبائیں نہیں آپاتیں، یہاں بڑی برکت ہوتی ہے، برکت کا لفظ ہندوؤں کے یہاں ہے نہیں، کوئی ایسا لفظ کہا، خیریت ہے یہاں ان کی وجہ سے۔

آپ اس طرح اپنے دین کو، اپنی عبادتوں کو ایسا بنایئے کہ ان کے دل میں اسلام کی وقعت پیدا ہو اور قدر آئے، اور اگر کوئی آپ کو ستائے تو وہ آپ کی طرف سے جواب دہ ہوں، اور آپ کو بچائیں کہ نہیں! انہیں ہمارے ملک میں رہنا چاہیے، ہمارے ملک میں ان کی وجہ سے معلوم نہیں کتنی آفتیں وبائیں ٹل گئی ہیں، اور ان کی وجہ سے دنیا کے بنانے والے کی کیسی نظر ہے، اس زمانہ میں ضروری ہے کہ آپ ایسے اخلاق رکھیں، آپ کا اور جو مسلمان نہیں ہیں ان کا فرق معلوم ہو جائے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ جائز و ناجائز کے لحاظ کرنے کی عادت ہو جائے، یہ حلال ہے، یہ حرام ہے، یہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے، یہ مزاج ہو جائے طبیعت بن جائے، اور رمضان شریف مزاج بنانے کے لیے آتا ہے، مزاج تبدیل کرنے کے لیے آتا ہے، صرف عادت ہی نہیں، مزاج بنانے آتا ہے۔

دوسری چیز یہ کہ جو کبائر ہوئے ان سے توبہ کیجیے، اللہ سے معافی مانگیے، اور دنیا سے جانے سے پہلے پہلے یہ کام کر لیجیے۔

تیسرے یہ کہ حقوق العباد جو آپ کے ذمہ ہیں، ان کی معافی تلافی کر لیجیے۔

چوتھے یہ کہ اپنے بچوں کی، اولاد کی تعلیم و تربیت کی فکر اور انتظام کیجیے۔

پانچویں چیز یہ کہ اخلاق ایسے بنایئے کہ غیر مسلموں میں بھی اسلام کی قدر و وقعت پیدا

ہو، بلکہ اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو کہ اپنا لٹریچر لائیے، دکھائیے، آپ کا مذہب دین کیا کہتا ہے؟ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اسلام نے آپ کو کیسا بنا دیا؟

ایک نمونہ یہ بھی تھا

ایک قصہ چھوٹا سا آپ کو سنا دیتا ہوں، جو اس جگہ سے مناسبت رکھتا ہے، اور یہیں کا فیض ہے، یہیں وہ تربیت ہوئی تھی کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب پشاور فتح کیا، قبضہ ہوگیا، تو وہاں رہنے والے پٹھانوں نے مجاہدین میں کسی کا ہاتھ پکڑا، اکثر یہیں کے رہنے والے تھے، رائے بریلی، سلطانپور کے اطراف کے، اُناؤ، کانپور اور پھر سہارن پور، مظفرنگر کے اطراف کے بہت لوگ تھے، کہ ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا، کہا: کیا ہندوستانیوں کی آنکھ کمزور ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، ہمیں سب نظر آتا ہے، کچھ کمزور نہیں۔ کہنے لگے: نہیں! کچھ بات ہے ضرور۔ انہوں نے کہا: نہیں! کچھ بات نہیں، ہماری آنکھ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر انہوں نے کہا: آپ یہ پوچھ کیوں رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ لوگ جب کہ بعض دو سال سے نکلے ہوئے ہیں، کوئی ایک سال سے، کوئی مہینوں سے نکلے ہوئے ہیں، اپنے اپنے گھر چھوڑ کر، ہندوستان چھوڑ کر آئے ہیں، بعض بالکل جوان ہیں، ان کے اندر تو جذبہ ہوگا، لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے کسی غیر محرم کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہو، ہم نے کہا: ایک ہوں، دو ہوں، چار ہوں تو خیر، لیکن ہم نے دیکھا کوئی نہیں، کوئی بھی نظر غیر محرم کی طرف اٹھاتا ہی نہیں، فطری تقاضا ہے، آگے کچھ نہ ہو، دیکھ تو لیتے، انہوں نے کہا: یہ بات نہیں، نظر ہماری بالکل ٹھیک ہے، یہ تربیت ہمارے امیر المومنین کی ہے، اور پھر یہ کہ اللہ کا حکم ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾ [سورۃ النور: ۳۰] (اہل ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں) یہ ہونا چاہیے اور یہی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ [سورۃ الأنفال: ۲۹] (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا پاس ولحاظ کروگے تو اللہ تعالیٰ تم کو شان امتیازی عطا فرمائے گا)۔

تم کہیں جاؤ گے پہچانے جاؤ گے، یہ مسلمان ہے، اس کی نگاہیں نیچی ہیں، کسی غیر محرم کو نہیں دیکھتا اور اس طرح بچ کر سنبھل کر چل رہا ہے گویا کہ خدا کو یاد کر رہا ہے، اگر یہ ہماری حالت ہوتی اور سیرت ہوتی، تو آج ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ سیاسی کوششیں، ٹکراؤ، جذباتی اشتعال انگیز تقریریں، جذباتیت اپنے دل کی بھڑاس نکالنا، زوردار تقریر کرنا کہ نام ہو، سر پر سہرا بندھے اور ہمارا سر اونچا ہو، یہ طریقہ نہیں تھا، طریقہ یہ تھا کہ ہم ایسی زندگی اختیار کرتے، یہ نہیں ہو سکا۔ اب جو موقع ہے اس میں یہ طریقہ اختیار کریں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔ (١)

---

(١) یہ تقریر علاحدہ رسالہ کی شکل میں ''رمضان المبارک کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کے نام'' کے عنوان سے مزید ایک تقریر کے اضافہ کے ساتھ شائع ہوئی۔

دو روزے (۱)

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾[سورة المائدة:۱۳]

توفیق الٰہی

میرے بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو رمضان المبارک کی سعادت ملنے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور اس کام کے لیے توفیق الٰہی پر مبارک باد دیتا ہوں، یہ معمولی نعمت نہیں ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ''، کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے، اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں، اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو گئے، اور یہ بظاہر آخری جمعہ ہے، جمعۃ الوداع ہے، اس کے بعد جو روزے باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، اور شب قدر کی دولت ونعمت بھی عطا فرمائے، ہماری اور آپ کی عاجزانہ دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، جو اس مہینہ میں کی گئیں۔

چھوٹا روزہ اور بڑا روزہ

اب میں آپ کے سامنے بظاہر ایک نئی بات کہنے والا ہوں، لیکن وہ نئی بات نہیں ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم سے ماخوذ ہے، اور قرآن مجید پر مبنی ہے، لیکن بہت سے بھائیوں کے لیے نئی ہوگی، اور نئی چیز کی ذرا قدر ہوتی ہے اور اس سے آدمی کا ذہن ذرا تازہ،

---

(۱) جمعۃ الوداع ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کو مسجد دائرہ شاہ علم اللہؒ تکیہ کلاں (رائے بریلی) میں کی گئی تقریر۔

بیدار اور متوجہ ہوجاتا ہے، وہ یہ کہ "روزے دو طرح کے ہیں: ایک چھوٹا روزہ، ایک بڑا روزہ۔"

چھوٹے روزے کی تحقیر نہیں بصرف زمانی اور وقتی لحاظ سے کہہ رہا ہوں، کہ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو، ۱۳ گھنٹے، ۱۴ گھنٹے کا روزہ ہوگا بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے، اس سے کچھ زیادہ، یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمان پر فرض ہوجاتا ہے۔ وہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک قائم رہتا ہے۔ اس روزہ کا ایک قانونی ضابطہ اور اس کے کچھ شرعی احکام ہیں، جو آپ کو معلوم ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا اور ان تعلقات ومعاملات کا لطف نہیں حاصل کرسکتا، جن کی اور دنوں میں اجازت ہے۔ یہ روزہ چاہے ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا ہو، اس میں محدود پابندیاں ہیں۔ رمضان کے اس روزے سے لوگ واقف اور اس کے قوانین واحکام پر عامل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ اس روزے کے علاوہ اور کون سا روزہ ہے جو اپنے وقت اور رقبہ میں اس سے بڑا ہے؟ گرمی کے روزے اور بڑے ہوتے ہیں اور اس روزے کے علاوہ اور کون سا بڑا روزہ ہوگا؟ کیا شش عید[1] کا روزہ بتانے والا ہوں؟ یا پندرھویں شعبان کا؟ کون سا روزہ بتانے والا ہوں؟

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ، اسلام خود ایک روزہ ہے، اور یہ سب روزے اور عیدین بھی، بلکہ روزہ، نماز یہاں تک جنت بھی جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا، وہ سب اس کے طفیل ہی ہے، اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے، وہ کب ختم ہوتا ہے؟ کب شروع ہوتا ہے؟ یہ بھی سن لیجیے۔

جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا، اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے، اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل ومسلسل روزہ فرض ہوجاتا ہے، اور جو اسلام لائے کلمہ پڑھے، یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

اور یہ روزہ کب ختم ہوگا؟ یہ بھی سن لیجیے، رمضان کا روزہ اور نفلی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہوجاتا ہے، مگر اسلام کا یہ روزہ تو آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوگا۔

چھوٹے اور بڑے روزے کا افطار

رمضان کے روزے ونفلی روزے کا افطار کیا ہے؟ آپ عمدہ سے عمدہ مشروب اور لذیذ سے لذیذ غذا سے افطار کرسکتے ہیں، زیادہ مشروبات اور ماکولات کا نام سن کر آپ کے منھ میں

(۱) عید کے بعد چھ دن روزہ رکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ (ح)

پانی آجائے گا اور شوق پیدا ہوجائے گا، اس لیے میں ان کا نام نہیں لیتا، وہ روزہ زمزم سے کھلتا ہے، یا دوسرے مشروبات سے، یا کھجور وغیرہ سے کھلتا ہے، اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھلے گا؟ حضرت محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین شفیع المذنبین سید المرسلین ﷺ کے دست مبارک سے جامِ طہور، جامِ کوثر سے کھلے گا، اگر وہ روزہ پکا ہے اور اس روزے کے آپ نے شرائط پورے کر دیے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے گئے، ہماری روح اس حال میں نکلی کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہہ رہے تھے اور ہمارے دل میں نورِ ایمان تھا، ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور ﷺ کی زیارت کا شوق تھا، تو وہ روزہ اس وقت ختم ہوتا ہے، اس کا افطار کیا ہے؟ اس کی ضیافت کیا ہے؟ وہ ہے جس ضیافت پر آدمی اپنی جان دے دے، اور اللہ کے بندوں نے جان دی ہے، اللہ کے سیکڑوں اور ہزاروں، لاکھوں آدمیوں نے اس شوق میں جان دی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا دیدار نصیب ہو، اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ہم جب ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں، راضی ہوں۔ جہاد کے واقعات، غزوات اور جنگوں کے واقعات پڑھیے، لوگوں نے خوشی خوشی جانیں دیں، بلکہ ایسا شوق تھا کہ ایک بچہ اُحد کی جنگ میں موقع پر آیا، اس نے کہا: "یا رسول اللہ! مجھے بھی جہاد کرنے کی اجازت دیجیے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "ابھی تم چھوٹے ہو"۔ اس نے کہا: "نہیں! چھوٹا نہیں، میں لڑسکتا ہوں"۔ اس نے بڑی خوشامد کی، کسی نے سفارش بھی کی تو آپ نے اجازت دے دی۔ دوسرے صاحبزادے آئے جو ذرا چھوٹے تھے، کہنے لگے: "آپ نے انہیں اجازت دی تھی، مجھے بھی اجازت دے دیجیے"۔ آپ نے فرمایا: "تم ابھی بچہ ہو"، اس نے عرض کیا کہ "آپ ہماری کشتی کرا کر دیکھ لیجیے، اگر میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھ کو اجازت دے دیجیے"۔ یہ بچوں کا شوق تھا، کشتی ہوئی، اس نے واقعی پچھاڑ دیا، اور آپ ﷺ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔

اس چھوٹے روزے کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں، سب روزے دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں جو ممنوع ہیں، لیکن اس بڑے روزے کا خیال بہت کم لوگوں کو ہے، حالانکہ یہ روزہ ہم لوگوں کو اس بڑے روزے کے طفیل ہی ملا ہے، اس بڑے

روزے کی برکت سے ملا ہے، یوں سمجھیے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے، اور عید بھی اسی روزے کے طفیل میں ملی، اگر اسلام نہ ہوتا تو نہ نماز ہوتی، نہ روزہ ہوتا، اور دیکھ لیجیے! جہاں اسلام نہیں، وہاں نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ کلمہ ہے، نہ اللہ پر یقین ہے، نہ اس کے واحد ہونے کا یقین، نہ حشر کا، نہ روز قیامت کا، نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا۔ یہ سب دولت ایمان ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہے، ہم گنا بھی نہیں سکتے کہ کیا کیا دولتیں ہم کو ملی ہیں، یہ سب اسلام کے طفیل میں ملی ہیں، اسلام کے طفیل میں آدمیت ملی ہے، انسانیت ملی ہے، عزت ملی ہے، طاقت ملی ہے، روحانیت ملی اور مرنے کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، اس کا تو پوچھنا ہی کیا "وَمَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ" "نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا"، تو اس (طویل و مسلسل) روزے کا لوگوں کو کم خیال آتا ہے، اب ہم آپ کو بتاتے ہیں، معلوم نہیں، پھر کبھی ہماری آپ کی ملاقات ہو یا نہ ہو اور کچھ کہنے سننے کا موقع ملے یا نہ ملے۔

بڑے کام کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اس روزہ (رمضان کے روزہ یا نفلی) میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کھانا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ روزہ ٹوٹ جائے تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں، تب ان کی قضا ہوگی، لیکن وہ روزہ جو اسلام کا روزہ ہے، اس کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے، ہم بتاتے ہیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں منع ہیں، اس میں کھانے پینے کی محدود چیزیں جو حرام ہیں، منع ہیں، اس میں شرک منع ہے، سب سے بدتر چیز جو اللہ کو ناپسند ہے وہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَادُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ [سورة النساء: ٤٨] قرآن مجید میں صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا، باقی جس کو چاہے گا معاف فرمادے گا۔

شرک کیا ہے؟

شرک کیا ہے؟ آپ سن لیجیے، اس کو سب برا سمجھتے ہیں، آپ بھی برا سمجھتے ہوں گے، عقیدہ یہ جو ہے کہ یہ خیال کرے کہ کارخانۂ عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی چلا رہا ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ [سورة الأعراف: ٥٤]، اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے چلانا، اسی

کو مانتے ہیں کہ خالق ارض وسماوات اور کائنات چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن چلانے کے بارے میں بہت سے بھائی ایسے ہیں جن کے دل میں اور کبھی ان کے دماغ میں یہ بات پورے طور سے جذب نہیں ہوتی ہے، اس نے اپنی جگہ نہیں بنائی ہے، وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ کارخانۂ عالم تو اللہ نے بنایا، ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ کہہ دیا بس بن گئی لیکن چلانے میں دوسری ہستیاں شریک ہیں، جیسے کوئی بادشاہ اپنی مرضی سے کوئی کام کسی کے سپرد کردے، کوئی بات کسی کے ذمہ کردے، بھائی! تم خیرات بانٹا کرو، تم دیکھو کھانے پینے کا خیال رکھنا، غلہ پہنچادو، کچھ پہنچادو، جس کی ضرورت ہو، کوئی بیمار ہو اس کو شفا دے دو، کسی کے اولاد نہیں ہے اس کو اولاد عطا کرو، کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہے اس کی خلاصی کردو، کسی کا مقدمہ جتادو وغیرہ وغیرہ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے ذمہ کچھ کارخانے کردیے ہیں، تو اس میں اللہ کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی، ان کی قبولیت اور بزرگی کی وجہ سے اور اپنے ارادہ سے سپرد کیا ہے اور جب چاہے گا لے لے گا۔

لیکن ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرا ہی کام ہے پیدا کرنا اور میرا ہی کام ہے چلانا اور حکم دینا'' ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ [سورة الأعراف: ٥٤]۔

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے کہ شاہجہاں بنا کر چلے گئے، اب اس کے بعد کوئی چاہے دیوار پر کچھ لکھ دے، دھبہ لگادے، کھونچا لگادے، کوئی حصہ توڑ دے، وہ کچھ نہیں کرسکتے، ان کے بس میں کچھ نہیں اور شاہجہاں کیا، خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور حکمراں ہو۔

لیکن وہ کارخانہ یعنی کارخانۂ عالم پورے طور سے اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے، وہی خالق کائنات ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے، اور وہی حکمراں، سیاہ سپید کرنے والا، جلانے والا، مارنے والا، روزی اور اولاد دینے والا ہے، ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ [سورة يٰس: ٨٢]۔ اولاد دینا، روزی دینا قسمت اچھی بری کرنا، ہرانا جتانا، اور کسی کو عزت دینا، کسی کی آئی ہوئی بلا کو ٹال دینا، یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس دنیا کا ایک پتہ بھی اور ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا، پوری باگ ڈور، عنان حکومت اور کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔

توحید کامل

ایک بات تو یہ ہے کہ توحید کامل ہونی چاہیے، اولاد وہی دے سکتا ہے، روزی وہی دے سکتا ہے، عزت وہی دے سکتا ہے، جلانا مارنا اسی کا کام ہے، یہ نہ کسی ولی کے قبضہ میں ہے، نہ کسی قطب کے قبضہ میں ہے، نہ کسی غوث کے قبضہ میں ہے، نہ کسی ابدال کے قبضہ میں ہے، ایک بات یہاں سے لے کر جائیے اور یہ وہ جگہ [1] ہے جہاں خاص طور پر اس چیز کی دعوت دی گئی اور پورے ہندوستان میں پہنچی، پہلے عقیدۂ توحید کو جانچیے کہ آپ اللہ ہی کو مُسَبِّبُ الأسباب سمجھتے ہیں، اور خالق ورازق سمجھتے ہیں۔

ایک تو یہ اور اس کے بعد دوسری بات قیامت کا یقین وآخرت کا یقین ہے اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین کو محبوب رب العالمین ماننا، اور یہ ماننا کہ شریعت انہی کی چل رہی ہے، اور قیامت تک چلے گی اور آخرت میں کام آئے گی۔ قیامت تک اور کسی کی شریعت نہیں چلے گی، اگر آپ کے بعد کوئی نبی شریعت لے کر آئے، تو وہ کذاب اور دجال ہے، ملحد ہے، دین کا باغی ہے اور واجب القتل ہے۔ شریعت شریعتِ محمدی ہے اور وہی قیامت تک چلے گی، اور ہر جگہ چلے گی، اور اس پر جو چلے گا، وہی فلاح یاب ہوگا، اور سرخرو ہوگا۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حبیب خدا ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرے، خدا اس سے محبت کرتا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ" [2] یہ مرتبہ اور کسی بزرگ، ولی کیا چیز، کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں ملا، یہ مرتبہ خدا نے آپ کے لیے رکھا تھا۔ ایک تو یہ کہ آپ پر ایمان بھی ہو، عقیدہ بھی ہو، محبت بھی ہو اور شفاعت کا شوق بھی ہو، اور اہتمام اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ آپ میں شریعت پر چلنے کا اہتمام بھی ہو، کہ آپ پوچھیں، آپ کے اندر جذبہ اور جستجو اس بات کی پیدا ہو کہ مسئلہ بتائیے اور اہل علم وفضل

---

(۱) دائرہ شاہ علم اللہؒ کی مسجد جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت توحید وجہاد کا سب سے پہلے مرکز بنی، اور وہیں سے سارے ہندوستان میں یہ دعوت پھیلی۔ (ح) (۲) رواه البخاري، حديث رقم ١٥.

کے پاس جائیے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں میں یہ بات پورے طور پر نہیں ہے، شادی بیاہ کس طریقہ پر ہو؟ حضور ﷺ اور صحابہؓ کا کیا طریقہ کار تھا؟ خوشی کا اظہار اور غم کا اظہار بھی شریعت وسنت کے مطابق ہونا چاہیے۔ ماتم کرنا، گانا، بجانا، یہ تزک واحتشام، دھوم دھام، اور شادیوں میں وہ سب کام کرنا، چاہے سود لے کر اور زمینیں بیچ کر، رشوت لے کر ہو، بس جس سے نام ہو، ہماری حیثیت عرفی بلند ہو، لوگوں میں اونچے سمجھے جائیں، اور یہ جہیز کا مطالبہ اور نہ دینے پر نازیبا سلوک، کہ گردن شرم سے جھک جائے، کیسی بری بات ہے! یہ سب شریعت کے خلاف ہے، اللہ کو ناپسند ہے۔ سب میں ہم پابند ہیں شریعت کے، صرف نماز وروزہ میں ہی پابند نہیں ہیں، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پابند ہیں، ہر چیز میں ہمارے لیے نمونہ اسوۂ رسول ﷺ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ [سورۃ آل عمران: ۳۱]، "(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔"

شریعت پر عمل

تو ایک بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ہو، اور شریعت کو آپ سمجھیں کہ وہ پوری زندگی میں نافذ ہے، پوری زندگی پر اس کا سایہ ہے، پوری زندگی اس کے ماتحت ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ بس نماز وروزہ شریعت کے مطابق ہوں، اس کے لیے مسئلہ پوچھیں، اور نکاح وطلاق، تجارت اور کاروبار میں آزاد ہیں، لاٹری بھی چل رہی ہے، جُوا بھی چل رہا ہے، ٹیلی ویژن بھی دن رات چل رہا ہے (جو لہو الحدیث کی بہترین تشریح ہے)، اسراف اور فضول خرچی بھی چل رہی ہے، نمود ونمائش بھی جاری ہے، ہمسایہ قوم کی نقالی بھی چل رہی ہے۔

گناہوں سے بچنا ضروری ہے

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد روزہ میں جیسے غیبت منع ہے، ایسے ہی اس روزہ میں غیبت منع ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا، فحش بکنا، رشوت لینا اور رشوت دینا، سودخوری، اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے، تو آپ یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ روزہ تو انشاء اللہ اب جو ۵-۶ دن باقی ہیں، اگلے جمعہ کو شاید عید ہو جائے یا اس کے بعد ہو، اگر ۳۰ کا رمضان ہوا، اس کے بعد ہم

آزاد ہیں، ہرگز نہیں! ہم آزاد نہیں ہیں، وہ روزہ برابر چلتا رہے گا، وہ روزہ اب بھی ہے، بلکہ وہ اس روزہ پر بھی سایہ فگن ہے، اور یہ روزہ اس روزہ کا جُزو ہے جو آپ رکھ رہے ہیں، وہ روزہ چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

ایمان پر خاتمہ کی فکر اور دعا

سب سے بڑی چیز اور تمنا کرنے کی ہے، بلکہ جس کے لیے جان کی بازی لگا دینا اور جس کے لیے جان فدا کر دینا جسے کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ ہے، ہماری آزادی، غریبی، مفلسی، دوستی، دشمنی، کامیابی اور ناکامی یہ سب گزر جائے گی، بس خاتمہ ایمان پر فرمائے، اولیاء اللہ کو اس کی بڑی فکر تھی، ان کے حالات پڑھیے، جن کا نام لینے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، ان کو یہ فکر ہوتی تھی بلکہ دوسروں سے دعا کراتے تھے کہ خاتمہ بخیر ہو۔ سب کے دل سے یہ لگی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بخیر فرمایا، ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

ہم آزاد نہیں پابند ہیں

ایک بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے رمضان ختم ہونے کے بعد آپ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہوگئی، اب ہم آزاد ہیں، جو چاہیں کریں، ہرگز ایسا نہیں، آپ آزاد بالکل نہیں ہیں، آپ کے گلے میں اسلام کا طوق پڑا ہوا ہے، آپ کی تختی، آپ کے شناختی کارڈ پر لکھا ہے کہ آپ مسلمان ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روزہ کا حساب ہوگا اور اس روزہ کا بھی حساب ہوگا۔ ہم نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [سورة المائدة: ۳] میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، چاہے کوئی تبدیلی لانا چاہے، سلطنت کہے، بادشاہ کہے کہ ایسا کرو، اور وہ کرنا چاہے، بڑے سے بڑا مسلمان اور علم کا دعویٰ کرنے والا کہے، کچھ ہونے کو نہیں، جو چیز حرام ہے قیامت تک حرام رہے گی، دنیا میں کسی کو اجازت نہیں، اور نہ اس کے لیے مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے، شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی، وہ چیزیں جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گی۔

روزہ کا انعام

یہاں سے آپ ارادہ کرکے جایئے کہ اگر کسی کی جائداد آپ کے قبضہ میں ہے اور آپ کی نہیں ہے، تو اس روزہ کا تقاضا ہے کہ آپ اس جائداد کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوگا، آپ اللہ کے خوف سے ایسا کریں اور کہیں کہ لو اپنی جائداد، اپنا ترکہ، یہ تمہیں مبارک ہو، اب ہم نے توبہ کی ہے۔

جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، دل آزاری کرنا، گالی بکنا، ناجائز حرام ذرائع آمدنی، رشوت وغیرہ جن سے پیسے ملتے ہیں، حرام ہی ہیں، اور قیامت تک ناجائز ہی رہیں گی۔ اسی طرح سود ہے کہ بعض لوگ اس دورِ پُرفتن میں اس کے جواز کی شکلیں نکال رہے ہیں۔ کس قدر افسوسناک بات ہے! جس چیز کو شریعت ودین نے حرام قرار دے دیا، قیامت تک حرام ہی رہے گی۔

حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ کا واقعہ

کوشش یہ کیجیے کہ آپ کا روزہ صحیح طریقہ پر اس کا افطار ہو، شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں تھے، نواب میر خاں نے، جو ان کے مرید تھے، ارادہ کیا جب انہوں نے سنا کہ حضرت کے یہاں پانسو پانسو آدمی رہتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور آپ ہی کو ان کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں، کوئی آمدنی نہیں، کوئی جائداد نہیں، تو انہوں نے ایک بڑی رقم پیش کرنی چاہی، اور کہا کہ "حضرت! اس کو قبول فرمالیں"، فرمایا کہ "فقیر نے روزہ رکھا تھا اور جب آفتاب ڈوبنے لگے تو کوئی روزہ نہیں توڑتا۔ اب میرا آفتاب عمر ڈوبنے کے قریب ہے، اب کوئی جتنا کہے کہ کچھ چیزیں لے لو، یہ دوا کھالو، میں روزہ نہیں کھولوں گا، کہ تمام دن روزہ رکھا اور اب جب افطار کا وقت قریب ہے تو توڑ دوں۔"

ساری عمر کا روزہ بڑا روزہ ہے

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے، ساری عمر کا روزہ ہے، کبھی نہیں ٹوٹ سکتا

، جو چیزیں حرام ہیں، حرام ہیں، غلط ہیں غلط ہیں، عقیدہ خالص ہونا چاہیے۔ نہ کوئی آئی ہوئی بلا کو ٹال سکتا ہے، نہ اولاد دے سکتا ہے، نہ نوکری دلا سکتا ہے، کہ آپ کسی اور سے مانگیں، جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگیں، جو سمیع و مجیب ہے، وہ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [سورة البقرة: ١٨٦] خدا تعالی فرماتا ہے اپنے رسول ﷺ سے کہ "بندہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے تو کہہ دیجیے کہ میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ دعا کرے"۔

بس آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لے کر جائیے، خوش ہوئیے، اللہ کا شکر ادا کیجیے، یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالی اور رمضان نصیب کرے، مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں صحت کا اعتبار نہیں، ہاں وہ مسلسل وطویل روزہ رہے گا، وہ روزہ مبارک ہو، اس روزہ کا خیال رکھیے، وہ روزہ نہ توڑیے گا، وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا، سب کچھ بگڑ گیا۔

بس یہی دو روزے ہیں: ایک روزہ ہے قریب المیعاد، وہ ہے رمضان کا روزہ اور دن بھر کا روزہ ہے، ایک روزہ وہ ہے جو زندگی کے ساتھ رہے گا، اور مسلمان کے لیے جب سے وہ بالغ ہوا، اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے، اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی، جب تک بدن میں اس کے جان اور روح ہے، اس وقت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں، اس روزے کی حفاظت کریں اور قدر کریں اور اس روزے پر جئیں اور مریں۔

رَبَّنَا تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. (۱)

---

(۱) یہ تقریر علاحدہ رسالہ کی شکل میں دار عرفات، رائے بریلی سے شائع ہوئی۔

جمعۃ الوداع کا پیغام (۱)

ساری دنیا میں اور جس جگہ بھی آج مسلمان بھائی ہوں گے، جو پہلے جمعہ کو بھی تھے، تو اس پر ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی تھی، مبارک ہو کہ اللہ نے رمضان پھر نصیب فرمایا۔ اگر ہم کو اس سے پہلے اٹھالیا ہوتا دنیا سے، یا اور کسی اور طریقہ سے مفلوج کر دیا ہوتا، یا معذور کر دیا ہوتا، تو جیتے جی بھی ہمیں رمضان میں کوئی مزہ نہ آتا، کوئی فائدہ اس سے ہم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حالت میں، عقل و شعور کی حالت میں، صحت و تندرستی کی حالت میں، امن و امان کی حالت میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایمان و توفیق کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے رمضان نصیب فرمایا۔ ایک دن وہ تھا جب ہم نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تھا، اور ایک دوسرے کو مبارکباد دی تھی: بھئی! مبارک ہو، اللہ نے رمضان پھر نصیب فرمایا، اور آج وہ دن ہے کہ ہم ایک دوسرے سے تعزیت کرتے ہیں، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں، اور رمضان کو آج ہم گویا الوداع کہہ رہے ہیں، گویا اب وہ دنیا سے جارہا ہے، اب کس کو معلوم، خود کی خبر نہیں، ایک دوسرے کی خبر نہیں، آج کل کیا، پل کی بھی خبر نہیں، رمضان تو آئے گا جب تک اللہ کو منظور ہے، جب تک یہ دنیا قائم ہے رمضان کو تو آنا ہے، رمضان ہر سال آئے گا، اور بڑی آن بان سے آئے گا، بڑی شان سے آئے گا، اور روزہ رکھنے والے روزہ رکھیں گے، تراویحیں ہوں گی، مسجدیں آباد ہوں گی، لیکن مسئلہ یہ ہے، سوال یہ ہے کہ ہم بھی ہوں گے یا نہ ہوں گے؟ اور ہوں گے تو کس حال میں ہوں گے؟ اس لیے بھائی! یہ رمضان جو اس سال اللہ نے ہمیں عطا فرمایا، یہ بہت بڑی نعمت تھی، اس کے آنے پر خوشی، اس کے جانے پر رنج قدرتی ہے، اس پر جتنا بھی ہم رنج کریں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جشن

(۱) جمعۃ الوداع ۲۸/ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کو مسجد دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی میں کی گئی تقریر۔

منائیں، لوگوں نے رمضان کے رخصت کرنے کا بھی جشن بنالیا ہے، اس کو بھی بڑی رونق کے ساتھ اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ رخصت کرتے ہیں، یعنی ''جمعۃ الوداع'' کی نماز بڑے بڑے شہروں میں اس طرح ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑا میلہ ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک بہت بڑا تہوار ہے، حالانکہ رمضان کا تو حق یہ تھا کہ جتنا وقت ملے وہ تنہائی میں مسجد کے کونے میں گزارے اور اللہ اللہ کرے، اور رمضان کا تھوڑا سا وقت جو رہ گیا ہے، اس کو تلاوت میں گزارے، آنسو بہانے میں گزارے، آنسو اس طرح تھوڑی بہائے جاتے ہیں کہ پوری دنیا کو بلایا جائے کہ آؤ دیکھو! ہمارے آنسو دیکھو! کس طرح ہم اپنے دوست کو، اپنے عزیز کو رخصت کرتے ہیں، اس کا منظر دیکھو۔

کھانے پینے کا وقت تو نہیں ہوتا، مگر بہت سے لوگ کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے، یعنی مثلاً دہلی جانا ہے، اور وہاں بھیڑ بھڑ کا بہت ہوگا اور بڑی مشکل سے جگہ ملے گی اور دھکے کھانا پڑیں گے، اس لیے روزہ تو بہت مشکل ہے، روزہ چھوڑ کر روزہ کو رخصت کرتے ہیں، روزہ کا سوگ مناتے ہیں روزہ چھوڑ کر، یہ بھی شیطان نے ایک پٹی پڑھائی ہے کہ دین کی شکل تھی، اس نے بھی اس کو غارت کردیا۔

خیر! وہ طریقہ ہمارا آپ کا نہیں ہے۔ جس طرح سیدھے سادے طریقہ پر ہر جمعہ میں نماز پڑھتے تھے، اب کچھ زیادہ لوگ آگئے، دیہات کے زیادہ آدمی ہوگئے۔

کوتاہیوں پر ندامت

عزیز بھائیو! اب اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ اب ہم جیسے سوگ منایا جاتا ہے، ہم سوگ منائیں اور الوداع، الوداع ایک ہزار بار بھی کہیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو عزیز مہمان، اب رخصت ہورہا ہے، جو کچھ ہوا اس پر اللہ کا شکر کریں، جو کچھ باقی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں، اور جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور ندامت۔

سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو چیز کسی چیز کو قیمتی بناتی ہے، اور جو کچھ اس میں خامی اور کور کسر رہ جاتی ہے اس کو پورا کرتی ہے، یہ ندامت ہے۔ دیکھیے بچوں کو دیکھیے، بچے شرارت کر بیٹھتے ہیں، شوخی کر بیٹھتے ہیں، غلط کام کر بیٹھتے ہیں، مارنے کے لیے تھپڑ اٹھائیے، اور

وہ رونے لگتا ہے، ایک دم سے بلبلا کر رونے لگتا ہے، تو محبت آ جاتی ہے۔

تو یہ روزے ہی کیا رکھے تھے ہم نے، جیسے ہم ویسے ہمارے روزے، اس کو ہم اس طرح رخصت کریں، کہ ہمارا دل گواہی دے، زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں، دل ہمارا گواہی دے کہ ہم سے کچھ نہیں ہوسکا، اور ہم نہ اس رمضان کے قابل تھے، اور نہ ان روزوں کے قابل تھے، اور نہ ہمارا منہ تھا، اللہ نے ہمیں نصیب فرمایا۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم سے کوئی قدر نہ ہوسکی۔

اگر آپ کے یہاں بادشاہ آ جائے تو آپ سب کچھ اس کی خاطر کریں، اور چلتے وقت یہ کہہ دیں کہ دیکھیے حضور! کیسی آپ کی خاطر ہوئی؟ ایسی خاطر آپ کی کہیں ہوئی تھی؟ آج آپ کو مزہ آیا ہوگا! بادشاہ تماچہ مار دے گا اور بڑی توہین سمجھے گا، اور جو کچھ اس کے ساتھ ہوں گے، فوج، پیادے، سپاہی، وہ شاید آپ کی گردن ہی ناپ لیں، لیکن اگر آپ سے کچھ نہ ہوسکے، دال روٹی بھی بمشکل ہوسکے، لیکن چلتے وقت ہاتھ جوڑ کر کہیں: حضور! کہاں ہمارا جھونپڑا، کہاں ہمارا یہ غریب خانہ، کہاں یہ گھورا اور سرکار کے قدم، بھلا سرکار کے قدم یہاں آنے کے تھے، ہمارا جھونپڑا اس قابل تھا! حضور کی ذرہ نوازی، قصر معلیٰ سے آپ اس جھونپڑے میں اس گھورے پر آئے، یہ تو حضور نے ہمارا اعزاز بڑھانے کے لیے اور ہمیں عزت بخشنے کے لیے سب کچھ کیا، حضور! ہم کر ہی کیا سکتے تھے؟ ہم تو کچھ کر ہی نہیں سکے۔ تو وہ جا کر کے آپ کی تعریف کرے گا، اور خوش خوش جائے گا، کہے گا: وہ کھلا دیتا، تو کیا ہیرے جواہرات کھلاتا؟ ہمارے یہاں کیا کمی تھی؟ واقعی اس نے ہمارا دل خوش کر دیا۔ اور پھر ممکن ہے وہ آپ کو اپنے محل شاہی پر بلائے، اور ممکن ہے کوئی بڑا عہدہ آپ کو دے، بس یہ آدمی ہے یہ اپنی حیثیت سمجھتا ہے، یہ اتراتا نہیں، اس کو غرور نہیں، اگر وزیر بھی دعوت کرے اور احسان جتائے تو بادشاہ اس کو لات مار دے، ٹھوکر مارے اس کو۔

تو بھئی! اب تو یہی ہے کہ بادشاہ ہمارے گھر آیا تھا، بادشاہ اب جا رہا ہے، اور اس شہنشاہ اعظم کا فرستادہ، اس کا بڑا عزیز، اللہ تو اس کو بڑا عزیز کہتا ہے "اَلصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ" کہ سب عبادتیں اپنے اپنے لیے بڑے بڑے فائدے کی ہیں، لیکن روزہ تو خاص میرا ہے، جس کو وہ اپنا کہے، وہ ہمارے گھر آیا، ہمارے گھر آ کر اس نے کیا پایا؟ گھر آ کر اس کی کیا

خاطر ہوئی؟ نہ ہم سے اس کے روزے رکھے گئے، نہ ہم سے ٹھیک سے نمازیں پڑھی گئیں۔ کیا یکسوئی کے ساتھ ہم نے نماز پڑھی؟ کیا بغیر ادھر اُدھر کے خیالات کے قرآن مجید کی تلاوت کی؟ کیا ہم نے واقعی چھپا کر کسی اللہ کے بندہ کو اس طرح سے کچھ دیا کہ کانوں کان کسی کو خبر نہیں ہوئی؟ کیا ہم نے کسی ایسے آدمی کا پیٹ بھرا کہ جو روٹی کے ایک ٹکڑے کو ترستا تھا اور ہماری وجہ سے اس کے گھر میں پورا رمضان آرام کے ساتھ گزرا؟ کون کام ہے جو ہم نے کیا؟ کیا رات ہم نے اس طرح گزاری کہ تڑپتے ہوئے، بلکتے ہوئے اور بلبلاتے ہوئے ہم نے گزاری؟ کون سی چیز ہم پیش کر سکتے ہیں؟ پیش کرنے کو ہمارے پاس کچھ نہیں! ہاں یہی آنسو ہیں اور یہی ندامت ہے، آنسو اختیاری نہیں ہیں، آنسو جو کبھی نکلتے ہیں اور کبھی نہیں نکلتے، وہ تو ایک دلیل ہے، اصل چیز نہیں، اصل چیز کیا ہے؟ اصل چیز دل کی کیفیت ہے۔ اگر دل میں، آپ کے دل کی گہرائی میں یہ بات ہے کہ ہم سے کچھ نہیں ہو سکا، تو اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ ادا بہت پسند آئے گی، جیسا کہ آتا ہے کہ "اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ" کہ "میں ٹوٹے ہوئے دل والوں کے پاس ہوں"۔

ہم تجھے کہاں تلاش کریں؟

کسی نے کہا پروردگار! ہم تجھے کہاں تلاش کریں، ہم غریب، ہم مٹی کے بنے ہوئے، ہم گندے انسان اور تو ایسا عالی، ہم تجھے کہاں تلاش کریں؟ تو ہمیں مل کہاں سکتا ہے؟ تو فرمایا: اگر ہمیں تلاش کرنا ہو، تو ٹوٹے ہوئے دل والوں کے پاس، شکستہ دلوں کے پاس تلاش کرو۔ تو اگر ہم شکستہ دل ہیں، ہم سے کچھ نہیں ہو سکا اور ایک آنسو بھی آجائے ہماری آنکھ میں، اور آنکھ ذرا تر ہو جائے، کچھ واقعی ہمارے اوپر کیفیت طاری ہو جائے عجز کی، اعتراف کی، تو سبحان اللہ!

بھئی! ایک بات تو یہ ہے کہ جواب تھوڑا سا وقت ہے، یہ استغفار اور ندامت میں گزاریں، اور اپنی کوتاہیاں یاد کریں کہ کوتاہیاں ہماری سب کھلی ہوئی ہیں، جیسا کہ ہم نے کہا، کون سی نماز ہم نے ایسی پڑھی کہ خدا کے حضور میں پیش کرنے کے قابل ہو؟ تراویح ہم نے سنی، کوئی کہتا ہے: ہم نے پانچ پارے سنے اور کوئی کہتا ہے کہ ہم نے سات پارے

پڑھے۔ ذرا دل سے پوچھیے، ان پاروں میں تھے کہاں ہم؟ ہم تھے کہاں پانچ پاروں میں؟ کیا پانچ پارے اس طرح سنے کہ ہمارے کان میں کوئی آواز نہیں آرہی تھی اور ہمیں لطف آرہا تھا اور دل یہ چاہ رہا تھا کہ اور پڑھیں...؟ سارا دل اسی میں لگا ہوا تھا کہ اللہ توفیق دے کہ جلدی سے پڑھ لیں اور پانچ کے بجائے چار ہی پڑھ لیں اور پھر پارے گنا گئے، دو ہوگئے اور تین ہوگئے۔

اصل روزہ

سب سے پہلے تو ہم اپنا نام پیش کرتے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تو کبھی بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے کوئی تراویح بھی ایسی پڑھی کہ جس میں یہ خیال ہوا ہو کہ ابھی اور پڑھتا، ابھی اور پڑھتا، اور بالکل دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی ہو۔ تو اب جو کچھ وقت ہے، وہ اس میں گزاریں، ایک بات آپ سے اور کہنا ہے، آپ کوئی بات معلوم ہوگی، لیکن ہے بات پکی۔ کتاب والی بات ہے، عالموں سے آپ پوچھ سکتے ہیں، لیکن جس طرح ہم بیان کریں گے، اس طرح شاید آپ نے اس سے پہلے نہ سنا ہوگا۔ دو رمضان ہیں، یا یوں کہہ لیجیے کہ دو روزے ہیں: ایک روزہ تو وہ ہے جواب ختم ہوگیا۔ اور اب اللہ نصیب کرے گا تو اگلے سال آئے گا، وہ روزہ چاند نکلنے سے شروع ہوتا ہے اور چاند نکلنے پر ختم ہوتا ہے۔ رمضان کا چاند نکلا، روزے شروع ہوگئے اور شوال کا چاند نکلا اور روزے ختم ہوگئے، چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر روزہ ختم کرو۔

اور ایک روزہ اور ہے، اور وہ اصل روزہ ہے، اور یہ (رمضان کا) روزہ اُسی روزہ کی دین ہے، اور اسی روزہ کی سمجھیے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اولاد ہے، یہ روزہ اسی روزہ کا نتیجہ ہے اور اسی روزہ کا ایک ثمرہ اور پھل ہے۔ وہ روزہ کیا ہے؟ یہ روزہ تھا جس وقت چاند نکل آیا رمضان کا، ہم نے تراویح شروع کردی، تہجد بھی پڑھی پڑھنے والوں نے، سحری بھی کھائی کھانے والوں نے، اب اس کے بعد صبح صادق سے لے کر جب صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی، اس وقت سے لے کر سورج غروب تک کھانا، پینا، اور میاں بیوی کے تعلقات سب بند ہیں، اور جب آفتاب ڈوب گیا، سب چیزیں جائز، یہ روزہ اس کے مسئلے بھی بہت کھلے ہوئے ہیں، اور کتابیں بھی لکھی گئیں، اور تمام لوگ جانتے ہی ہیں۔

اور ایک روزہ جو اصل روزہ ہے وہ روزہ نہ ہوتا تو یہ روزہ بھی نہ ہوتا، وہ روزہ کیا ہے؟ وہ روزہ وہ ہے جو بلوغ سے شروع ہوتا ہے، یا یوں کہہ لیجیے کہ کلمہ پڑھنے سے شروع ہوتا ہے، بالغ ہی سہی لیکن ایمان نہیں تھا کلمہ پڑھ لیا، اسلام نہیں تھا داخل ہو گیا، اور جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا تھا اس کا روزہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ بالغ ہوتا ہے اور اس وقت وہ شریعت کے نزدیک بالکل معیاری ہو گیا، اس وقت اس کا روزہ شروع ہوا، اور اس روزہ کا افطار کب ہے؟ اس روزہ کا افطار ہے جان کنی کے وقت جب اللہ تعالیٰ اپنے دیدار کا شربت پلائے اور پیالہ پلائے اور جب ﴿يَآ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً﴾ [سورة الفجر: ۲۷-۲۸] کی صدا کانوں میں آئے، کہ ہاں! تم روزہ پورا کر آئے، تم نے روزہ اپنا بالکل صحیح طریقہ پر رکھا، آؤ! اب افطار کا سامان ہے، افطاری تیار ہے اور بہت دیر سے منتظر ہے، اور اب عید ہی عید ہے، اور ایک دن کی عید نہیں، ہمیشہ کی عید ہے۔ ایک روزہ وہ ہے، اور وہ روزہ کیا ہے؟ وہ روزہ اسلام کا روزہ ہے، وہ روزہ، اس کو شرعی اصطلاح میں ''تکلیف'' کا روزہ کہتے ہیں، یہ تکلیف نہیں، تکلیف اٹھانا، بلکہ ہر انسان جو مکلف ہے شریعت کا، اس پر اللہ تعالیٰ کی شریعت عائد ہوتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے قوانین عائد ہوتے ہیں، اس لیے وہ روزہ شروع ہو جاتا ہے۔

اچھا! اس روزہ میں کیا چیزیں منع ہیں؟ اس روزہ میں سب گناہ منع ہیں، اس میں کھانا پینا منع نہیں، گناہ منع ہے، اس میں خدا کی نافرمانی منع ہے، اس میں شراب، جوا، سود اور جھوٹ بولنا اور گالی دینا اور دل دکھانا اور کسی کا پرایا مال اس پر قبضہ کر لینا، یہ سب اس روزہ کے ممنوعات ہیں، اگر اس میں کھانا پینا چھوڑ دے اور یہ سب کچھ کرلے تو بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ [سورة الأعراف: ۳۱] کھاؤ پیو اور حد سے نہ بڑھو، اور یہ چیزیں ہیں کہ اس سے پرہیز کرو۔ تو بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اس روزہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، یہ روزہ لمبا روزہ، اور قاعدہ بھی یہ ہے کہ جو چیز لمبی ہوتی ہے، اور بار بار ہوتی ہے، نمازوں کی ہی پرواہ نہیں کرتے، روزہ آیا اور مسلمان بن گئے، روزہ گیا تو پھر ویسے ہی ہو گئے، نماز تک کی پابندی نہیں کرتے، ایسے ہی بہت سے لوگ ہیں، اس کو توڑتے ہیں، اور

اس روزے کو کوئی توڑے، تو ۶۰ روزے رکھنے پڑتے ہیں، اور اس روزہ کو توڑنے کی سزا کیا ہے؟ دنیا میں تو اس کا نتیجہ ارتداد بھی ہو سکتا ہے جس کی سزا قتل ہے پھر ہمیشہ آگ میں جلنا پڑ سکتا ہے، اور اگر بڑا گناہ کیا اور توبہ نہ کی تو اس کے نتیجہ میں ہزاروں لاکھوں برس آگ میں جلنا پڑ سکتا ہے، تو بہت سے لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

اب سب بھائی بیٹھے ہیں دیہات کے، اب ان کو واقعی غم بھی ہے، افسوس بھی ہے، اور بڑے شوق سے آئے، نہائے دھوئے آئے کہ بھئی جمعۃ الوداع وہاں تکیہ کی مسجد میں پڑھیں گے، وہاں رائے بریلی چلیں گے، اور آج جہاں جہاں جاؤ گے مسجدیں بھری پاؤ گے، اور سب کو رنج ہے، چہرہ سے معلوم ہوتا ہے، جیسے کوئی عزیز چھوٹ رہا ہو، کوئی جدا ہو رہا ہو، لیکن کل تک تو سب بہار ہے، لیکن عید ہوئی اور پھر اس کے بعد اس بڑے روزے کا کسی کو خیال نہیں، کچہری میں جا کر دیکھ آؤ، جھوٹی گواہی دینے کے لیے تیار، عمدہ گواہی دلانا ہو تیار، جتنی بڑی فیس اتنی بڑی گواہی دینے کو تیار، اور اگر یہ کہو: حضور! آنکھ سے دیکھا ہے آنکھ سے، یہ آدمی یہ کر رہا تھا، یہ نہیں کر رہا تھا، اس نے مارا، اس نے نہیں مارا، تو پچاس روپے دو، اور اگر یہ کہ ہاں اس سے ذرا ہلکی نرم نرم گواہی، تو پچیس روپے میں کام چلے گا۔ یہ پچاس تو بڑی چیز ہے، پانچ پانچ روپے میں ایک ایک روپے میں گواہیاں، جس کا کھیت چاہا کاٹ لیا، کسی کے کھیت میں جانور ڈال دیے۔ دودھ کا کاروبار کرتے ہیں، میرے تیرے کھیت سے جانوروں کو چراتے ہیں، اور وہی دودھ چوری کے مال کا، چوری کے چارہ سے دودھ جو پیدا ہوتا ہے، اسی دودھ سے بھئی ہم افطار کرتے ہیں، اسی سے ہم سحری کھاتے ہیں، اب کیا ہماری نماز میں نورانیت پیدا ہو؟ کیا ہمارے روزے، کیا ہماری نماز میں کوئی کیفیت پیدا ہو؟ اور اسی طرح جو کاروبار کرتا ہے، اس میں کوئی خدا کا ڈر، کسی حلال وحرام کی کوئی بحث نہیں، درزی ہے تو کپڑا جو ہاتھ لگ جائے وہ اپنا مال، اور دوسرے کام کرنے والے سنار اور لوہار، وعدہ کا کوئی خیال نہیں، کہہ دیا کہ پرسوں ضرور مل جائے گا، قسم ہے، پرسوں مل جائے گا، پرسوں کے بعد برسوں آدمی دوڑ رہا ہے، اسی طرح سے ہر موقع کی کچھ روزہ توڑنے والی چیزیں ہیں۔ گویا نہ مرنا ہے، نہ آخرت ہے، نہ خدا کے یہاں جانا ہے، کتنے ایسے ہیں، جو زمین دبائے ہوئے بیٹھے

ہیں، ذرا غصہ آگیا تو انہوں نے کہا: اچھا بس اب، اب تو یہ ہماری ہے، اب یوں کردیں گے۔ اب وہ بے چارے ہمارے پاس آتے ہیں؛ مولویوں کو بہت سے حالات معلوم ہوجاتے ہیں، مولویوں کو، تعویذ لکھنے والوں کو، ہم تعویذ تو نہیں لکھتے، مولوی سمجھ کر کوئی مسئلہ پوچھنے آتا ہے، کوئی دعا کرانے آتا ہے، کہ حضرت! ہماری زمین پر ناجائز قبضہ کیے ہوئے ہیں، ہمارے اس مکان کو انہوں نے اپنے مکان کے ساتھ شامل کرلیا ہے، چھوڑتے نہیں ہیں اور وکیل کہتے ہیں: ہم کیا کریں؟ اب یہ خیال نہیں کہ چار دن کی زندگی ہے، مرجائیں گے، خدا کو کیا منہ دکھائیں گے؟ وہ کوٹھی بھی کیا لاد کرلے جائیں گے؟

چراگاہ کے قریب

ہم سے کوتاہیاں ہوئیں، انسان سے ہوتی ہیں، اللہ معاف کرے، مگر میرے بھائیو! اصل روزہ باقی ہے، وہ بڑا روزہ باقی ہے، جس کی عید قبر میں ہوگی، سمجھے! اگر ایمان سلامت رہا، تو انشاء اللہ یہیں سے شروع ہوجائے گی، اور اس وقت دیکھنے والے بھی گواہی دیں گے، کہ ہاں! یہ ایمان سلامت لے جارہا ہے۔ حدیث میں آتا ہے: "مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ "(۱)، اور فرشتے سلام پہنچاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا، کہ اے اللہ کے بندے! اللہ نے تجھے سلام کہا ہے، اللہ تعالیٰ کو اشتیاق ہے تجھ سے ملاقات کا، یہ مرتبہ بھی۔

دوسرا روزہ وہ ہے جو روزہ ہم نے رکھا ہے، اس کے بھی کچھ ممنوعات ہیں اور وہ چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، ان کے بعد ہماری جان پر بن جائے گی، نہیں! وہ چیزیں وہ ہیں کہ ان کو چھوڑ کر اور زیادہ ہم پھلیں پھولیں اور زیادہ ہم خوش ہوں گے، ہم ایمان کی کمزوری سے سمجھ رہے ہیں، کہ پچاس روپے مل جائیں گے، دس روپے مل جائیں گے، وہ نہیں ملیں گے، باقی پیاسے مرجائیں گے، بھوکے مرجائیں گے، یہ نہیں ہوگا۔ وہ چیزیں جو ممنوع ہیں حرام ہیں، حدیث میں آتا ہے: "إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ "(۲)، تو ہر بادشاہ کی ایک رکھت ہوتی ہے، ایک شکارگاہ ہوتی ہے، کہ دیکھو بھئی! بادشاہ یہاں شکار کھیلنے آتا ہے، یہاں سے لے کر یہاں تک باڑ لگی ہوئی

---

(۱) رواه مسلم، حديث رقم ٦٨٢٠ (٢) رواه الترمذي، حديث رقم ١٢٠٥

ہے، یہاں ہرن بھی ہیں، چیتل بھی ہیں، اور فلاں بھی ہیں، اب ایک صاحب ایسے ہیں ایسے تیس مار خاں، وہاں تھوڑی کھیلوں گا، یہاں کھیلوں گا، جب انہوں نے قریب سے دیکھا کہ ہرن کا ایک پاؤں اس طرف ہے، ایک اس طرف یا ان کو نظر ایسا ہی آیا، شوق میں تو بعض مرتبہ ایسا ہی نظر آتا ہے، ہرن نے ایک پاؤں ادھر نکالا اور ادھر انہوں نے مارا، اس کے بعد گرا وہ بادشاہ کے ادھر، تو کہا: مارا ہوا تو ہمارا ہے، اندر گئے تو گردن ناپ لی گئی، اور کہا یہاں آئے کیسے؟ اس نے کہا حضور! ہم نے ہرن مارا، کہا: ہرن آیا کہاں سے تھا؟ اب، اب کوئی جواب نہیں بن سکتا۔

ہرن تو یہیں بادشاہ کی شکارگاہ کا تھا، تو آپ ﷺ فرماتے ہیں: (مَنْ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ)، جو چراگاہ کے کنارے کنارے چرائے گا ضرور جا پڑے گا کسی نہ کسی دن۔ تو جو لوگ گناہوں کے قریب قریب رہتے ہیں، یا جن کو مقدمہ کا شوق ہوتا ہے، یا جو مقدمہ بناتے ہیں، یا جن کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا مقدمے کے بغیر، کچہری جائے بغیر، ہر وقت ان کی صحبت میں رہنا، ہر وقت ان کے پاس، انہوں نے کہا: ارے بھئی! تمہیں کچھ شوق نہیں، تم بالکل مردہ دل ہو، دل تمہارا بالکل مٹی ہو گیا ہے، اتنے دن سے سن رہے ہو، اب تھوڑے دن کے بعد خیال ہوا کہ وہ فلاں کھیت جو ہے، وہ جس کی مینڈ ہمارے کھیت سے ملتی ہے، اب اس میں پھانسا جا سکتا ہے، کاغذات دیکھے، پٹواری سے ملے اور ایک مقدمہ کھڑا کر دیا۔ تو جو شخص، جس ماحول میں بیٹھے گا، تہجد پڑھنے والوں کے پاس بیٹھے گا، ویسا ہی اس کا شوق ہوگا، اگر آپ عابدوں کے پاس بیٹھیے گا، تو تذکرہ کیجیے گا کہ بھئی! آج ذرا دیر سے آنکھ کھلی، پورا پارہ نہ کر سکا، آج یہ نہ ہوا، آج درود شریف کی اتنی تسبیحیں نہیں پڑھیں، سنا! تمہیں فلاں مولوی صاحب نے ایک وظیفہ بتایا ہے، ایک تسبیح بتائی ہے، ذرا ہم کو بھی بتا دو، تو خود ہی شوق ہوگا اور اگر گالی بکنے والوں کے پاس بیٹھیے گا، اور جوا کھیلنے والوں کے پاس بیٹھیے گا، تو جوئے کی ایک قسم ہوتی ہے جو آج کل بہت رائج ہے، اس میں ان لوگوں کے پاس آپ بیٹھیے گا، گاؤں گاؤں آج کل جوا ہو رہا ہے، آپ بھی کھیلنے لگیے گا، ایسے ہی تاش، شطرنج کھیلنے والوں کے پاس بیٹھیے گا، آپ کو بھی یہی عادت پڑ جائے گی۔

چھٹی نہیں

بھئی اس روزہ کا خیال کیجیے، اب یہاں سے آپ جائیں گے، اللہ عید مبارک فرمائے، اگر کل چاند ہو جاتا ہے تو پرسوں عید ہی ہے، انشاء اللہ، لیکن یہ نہ سمجھیے گا اس کے بعد چھٹی، یہ چھٹی جو سمجھتے ہیں، ارے بھئی عید کا چاند جو نکل آیا تو چھٹی، چھٹی ہوئی، چھٹی نہیں ہوئی، اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا، سمجھے!

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور　　　　اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

یا تو کہہ لیجیے آپ کو سبق یاد نہ ہوا، اور اگر سبق یاد ہوا، روزے آپ نے اچھے رکھے، تو چھٹی نہیں ملی، چھٹی ہے ہی نہیں اس زندگی میں، زندگی میں چھٹی نہیں، چھٹی ہوگی اس وقت جب چھٹی ہوگی، تو پھر انشاء اللہ چھٹی ہی چھٹی، پھر چھٹی ہی چھٹی، پھر مزے کرو، پھر تو وہاں سوائے عیش کرنے کے کوئی کام ہی نہیں، نہ کھیت جوتنا، نہ ہم جیسے لوگوں کو پڑھنا پڑھانا، اور نہ کمانے والوں کو کمانے کی فکر کرنا۔ کچھ نہیں، پھر چھٹی ہی چھٹی ہے اور عید ہی عید ہے۔ ہر روز روز عید، ہر شب شب برات۔ کیا حقیقت ہے شب برات کی، کیا حقیقت ہے روز عید کی۔ اس روز جنت میں مسلمانوں کی عید ہوگی، اس عید کا روزہ ہے: یہ روزہ، تمہارا دائمی روزہ، اس عید کا روزہ ہے، تو یہ روزہ تو چھوٹا سا روزہ تھا، اس کو تم نے رکھ لیا، اصل روزہ کو نہ بھولو، اس میں کھاؤ پیو، (قُلْ: مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِيٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ)[سورة الأعراف: ۳۲]، کھاؤ، پیو، کس نے حرام نہیں کیا بلکہ گناہ ہے لیکن (لَا تُسْرِفُوْا) اسراف نہ کرو یعنی ایسا نہ کھاؤ کہ حد سے باہر ہو جاؤ، سرحد کو پھلانگ جاؤ، وہ جو لکیر ہے، پاؤں تمہارا جل جائے، اس پر پڑ جائے، بس اسی طرف رہو، وہ روزہ، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس روزہ کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا کرے، اسی روزہ کے انعام میں یہ روزہ ملا ہے، عید ملی ہے، سب کچھ اسی روزہ کے طفیل میں ملا ہے، وہ روزہ نہ ہوتا تو یہ کچھ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس روزہ کا حق ادا کرنے کی توفیق دے، گناہ کی نفرت دے، توبہ کی توفیق دے۔

اور بھائیو! آج گویا رمضان کا آخری روزہ ہی سمجھ لو، کل عید کی تیاری میں بعض لوگ

بازاروں میں پھریں گے، جو آج کا وقت ہے اور پھر جمعہ کا مبارک وقت اس میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے، تو یہ پورا دن ہی ایسا برکت والا رمضان اور پھر رمضان کا جمعہ اور پھر آخری جمعہ، اور جمعہ ایک آخری ایسا بھی ہوتا ہے کہ چار پانچ دن کے بعد عید ہوتی ہے، یعنی ۲۴؍رمضان کو پڑ گیا، ۲۳؍رمضان کو پڑ گیا، جمعۃ الوداع، آج تو جمعہ ایسا ہے کہ بس ایک کل بیچ کا ہے، آج سے بہتر دن توبہ کے لیے نہیں ہوسکتا ہے، اپنے اپنے خود ہی گردن جھکا کر، اور خود گریبان میں منھ ڈال کر، اپنے گناہ کو یاد کر کر کے، جو تم سے کبائر ہوئے ہیں، جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں، وہ توبہ سے ان کو معاف کراؤ، جن کا معاملہ تھا اور جو اللہ سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے لیے توبہ کرو۔ پس اس سے بہتر اور کوئی وقت نہیں ہے اور معلوم نہیں اور کب تک جئیں.........!!(۱)

---

(۱) پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ (شمارہ ۲۵؍نومبر ۱۹۷۳ء)۔

رمضان کا پیغام اور انعام (۱)

اللہ کا خصوصی انعام اور احسان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰى، أَمَّا بَعْدُ!

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگو! سب سے پہلے ہم آپ کو اس بات کی مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان المبارک کا یہ مہینہ پھر نصیب فرمایا، اور ہم کو، آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا کہ ہماری زندگی میں ایک بار پھر یہ مبارک مہینہ آگیا، آپ یاد کیجیے ان لوگوں کو جو رمضان سے پہلے دنیا سے چلے گئے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہوا، اور اس کے بعد پھر یہ کہ آج جمعۃ الوداع (جو اس مہینہ کا بظاہر آخری جمعہ معلوم ہوتا ہے) اللہ نصیب فرما رہا ہے، اور اس کے بعد انشاء اللہ عید کا مبارک دن بھی آئے گا، ہم آپ اللہ کا شکر ادا کریں گے روزے کی توفیق پر اور اللہ کی نعمتوں پر۔

اس وقت دور دور سے بھائی جمعہ ادا کرنے آئے ہیں۔ مختلف ذہن کے مختلف حالات کے مختلف طبیعتوں کے مختلف ماحول کے اور مختلف مجبوریوں اور دشواریوں کے، اس وقت ایسی بات کہنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جو ساری عمر کام آئے، ہر جگہ کام آئے، اور ہر ایک کے کام آئے، اور یہ اللہ کی توفیق پر منحصر ہے، اور یہ بات اس لیے ممکن ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اور انسان کی نجات پانے کے لیے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے، اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے، یہاں بھی اللہ کے فضل اور اس کے انعام کے مستحق بننے کے لیے، اور اٹھائے جانے، آنکھ بند ہونے کے بعد بھی اللہ کی نعمتوں کو پانے کے لیے اور جنت میں جانے کے لیے آپ ﷺ نے کوئی بات اٹھا نہیں

---

(۱) جمعۃ الوداع ۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ کو مسجد حضرت سید شاہ علم اللہ (رائے بریلی) میں کی گئی تقریر۔

رکھی۔ آپ کا کلام، آپ کے ارشادات ایسے ہیں کہ ان میں ایک ایک ارشاد ایسا ہے کہ اگر اللہ ہمیں توفیق دے، اور ہماری قسمت اچھی ہو، اور اللہ کو منظور ہو تو ساری عمر کے لیے کافی ہے، اور تمام حالات کے لیے کافی ہے۔

سب سے اہم وصیت

کوئی ہم سے فرمائش کرے کہ کوئی بات ایسی کہہ دیجیے کہ ہم اس کو پکڑ لیں، ہم اس کو دل پر لکھ لیں، پلو میں باندھ لیں اور پھر ہم اس کی روشنی میں، اسی کے سایہ میں پوری زندگی گزاریں اور ہر بات کے لیے ہمیں بار بار پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے، راستہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سی چیزیں، لیکن اللہ کی رضا حاصل کرنے اور جیسی زندگی وہ چاہتا ہے، اور اس کے رسول ﷺ جس زندگی گزارنے کا طریقہ بتلانے کے لیے اس دنیا میں تشریف لائے تھے، اس کے لیے بار بار پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ﴾ [سورة المائدة: ٦٧] ترجمہ: ”اے اللہ کے نبی! جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے سب پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت اور نبوت کا حق نہیں ادا کیا۔“

تو آپ ﷺ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، آپ کے ارشادات تو بہت ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے بڑھ کر کوئی قدر داں نہیں ہو سکتا، عاشق رسول ﷺ نہیں ہو سکتا، شمع کے پروانے کیا چیز ہیں، وہ شمع رسالت کے لیے پروانوں سے بڑھ کر پروانے تھے، ان کو دین کی باتوں سے سیری نہیں ہوتی تھی، لیکن کسی صحابی نے ایک مرتبہ عرض کیا: ”یا رسول اللہ: آپ کوئی ایسی بات بتا دیجیے جس کو میں پکڑ لوں، دامن میں باندھ لوں، دین کی باتیں بہت ہو گئیں، احکام و مسائل بہت ہیں، اور پورا اللہ کا کلام ہی ہے، قرآن مجید ہے، لیکن کوئی ایسی بات بتا دیجیے جسے میں اپنا دستور العمل بنا لوں، اور ہمارے لیے کافی ہو جائے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آپ ﷺ نے بتایا: ”قُلْ: رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ“ [1]، (ایک مرتبہ دل سے کہہ

---

(۱) رواه مسلم في كتاب الإيمان وأحمد في مسنده، حديث رقم ١٩٦٥١، ١٥٤٩٤

دو: ''میرا پروردگار اللہ ہے'' ، پھر اس پر جم جاؤ۔)

پوری زندگی کا دستور العمل اور ہدایت نامہ

اب اس وقت میں آپ کو ایک حدیث سناؤں گا، اگر آپ اس کو اپنے ساتھ لے گئے، یہاں چھوڑ نہیں گئے، یہ پختہ ارادہ کر کے گئے کہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے، تو یہ زندگی بھر کے لیے کافی ہے، اور وہ حدیث ایسی ہے جو چونکا دینے والی ہے، وہ پوری زندگی کا دستور العمل اور مکمل ہدایت نامہ ہے، اور دین و دنیا کی کامیابی کی ضامن ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: (لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ)، ''تم میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں۔''(۱)

حضور ﷺ سے بڑھ کر تواضع دنیا میں کسی کے اندر ہو ہی نہیں سکتی، لیکن اس موقع پر آپ نے جو لفظ استعمال کیے ہیں، ان میں پیغمبرانہ غیرت بھی جھلکتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنی زور سے بات کہی، اور آپ نے اس وقت مقام رسالت کا خیال کیا، اپنی بشریت کا اور بہت سی چیزیں جو مشترک ہیں، ان میں سے کسی کا خیال نہیں کیا، اس میں تواضع سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے منصب اور مقام کو سامنے رکھا، بہت جوش کے ساتھ جیسے کوئی بات کہی جاتی ہے اور للکار کر کہی جاتی ہے، سوئے ہوئے کو جگا کر کے اور جاگتے ہوئے کو ہلا کر کے، اس کو متوجہ کر کے بات کہی جاتی ہے، اس طرح فرمائی کہ کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفسانی، اس کی خواہشات، اس کے عادات واطوار، اس کے مصالح ومنافع، اس کے ماحول کے رسم ورواج، ذلت وعزت کے پیمانے اس کے مطابق نہ بنیں، اور اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں، "تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ"، اور اس میں آپ نے بالکل تواضع سے کام نہیں لیا، واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا، جو عربی جانتے ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں، پھر عربی میں ''هَوَىٰ'' کا لفظ جو ہے، اس میں خواہشات، لذات، فوائد ومنافع، مصلحتیں، خوف اور

(۱) أخرجه البغوي في شرح السنة عن عبدالله بن عمرو بن العاص ۱/۱۴۵، حديث رقم ۱۰۴

لالچ کے اسباب، سب آجاتے ہیں، یعنی زندگی کا پورا نقشہ، اندر کا بھی، باہر کا بھی، اندر کا کیا؟ اندر کی خواہشات، باہر کا کیا؟ باہر کی عادتیں، باہر کا ماحول، اس کے تقاضے اور لوگوں کی امیدیں، کسی چیز کا ڈر کہ ہم نے یہ نہیں کیا تو یہ نقصان ہو جائے گا، یا ہماری طرف انگلیاں اٹھ جائیں گی اور ہمیں لوگ بدنام کریں گے، ہمیں ذلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے، ہمارا اتنا زبردست مالی نقصان ہو جائے گا، ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے، ہم سر اٹھا کر چل نہیں سکیں گے، ہم گھر میں جائیں گے تو ہمیں اس کا بھی ڈر ہے کہ گھر میں انگلیاں اٹھیں اور گھر والے شکایت کریں کہ ہمارے خاندان میں یہ ہوتا آیا ہے، ہماری برادری میں یہ ہوتا آیا ہے، ہمارے ماحول میں یہ ہوتا آیا ہے، یہ کیسی شادی کردی لڑکی کی، یہ کیسے لڑکے کا نکاح کردیا، اور اس طرح رخصت کردیا، وہ ساری دھوم دھام کہاں گئی؟ اس کے جو لوازمات تھے اور اس میں شان وشوکت کے جو مظاہرے تھے اور جو حیثیت عرفی ہماری ہے اور ہماری جو سوشل پوزیشن (Social Position) ہے، اور ہمیں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور ہماری جو عزت ہے محلّہ میں اور خاندان میں، اس سب کے مطابق آپ نے کچھ نہیں کیا، سب پہ پانی پھر گیا، اور سب پر دھول پڑ گئی، انگلیاں اٹھنے لگیں، دیکھو! یہ جا رہے ہیں ان کے پاس پیسہ نہیں رہا، انہوں نے ایسی شادی کردی، دیکھو! یہ اپنے ہونہار فرزند کو دینیات پڑھوا رہے ہیں، کوئی اچھی نوکری نہیں ملے گی، یہ بچہ کیا کمائے گا؟ کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا؟ اور کیا کھلائے گا؟ اور فلاں صاحب نے سود چھوڑ دیا، نہیں لیا، اور فلاں نے بہن کو حصہ دے دیا، ایسی پچاس باتیں ہیں۔

کمالِ ایمان کے لوازمات اور شرائط

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب اس کے دل کی چاہت اور جو عادتیں ہیں، رسمیں ہیں، معیار ہیں، اور جس کی جو حیثیت ہے، اس کے لیے یہ قانون بن جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کی شادی کرے گا تو اس معیار سے، دعوت کرے گا تو اس معیار سے، کپڑے پہنے، باہر نکلے گا تو ایسی سواری ہوگی، ایسا لباس ہوگا اور فلاں سے ملے گا، فلاں سے نہیں ملے گا، ملنے اور نہ ملنے کے لیے بھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہے کہ اس کا حق ہے، جو اس کا عزیز ہوتا ہے

اس کا یہ رشتہ ہے، اس پر اللہ کے یہ عائد کردہ حقوق ہوتے ہیں، کس سے ملنے میں عزت ہے، کس سے ملنے میں بے عزتی ہے، کس سے ملنے میں فائدہ ہے، کس سے ملنے میں نہیں، کہاں بیٹھے کہ لوگ دیکھیں اور اشارے کریں کہ دیکھو! کیسے معزز آدمی کے ساتھ بیٹھا ہے، اور کہاں بیٹھنا عیب کی بات سمجھی جائے گی، یہ بھی ملاؤں میں ہوگیا، دیکھو کہاں بیٹھا ہے، مسجد جانے لگا ہے، اس کو بھی کسی کی ہوا لگ گئی، یہ سارے معیار ہیں اور یہ ساری شرطیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں: یہ سب میری لائی ہوئی تعلیم، میں جو شریعت مبین لے کر آیا ہوں، یہ حلال یہ حرام، یہ جائز یہ ناجائز، یہ مکروہ، یہ مستحب ہے، یہ دنیاداری ہے یہ دین داری، یہ خدا کی مرضی ہے یہ اس کی نافرمانی، یہ شریعت ہے یہ شریعت کے خلاف، جو شخص جب تک یہ طے نہ کرے گا کہ اچھی بات وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے کہی، چاہے اس سے عزت ملتی ہو، چاہے بے عزتی ہوتی ہو، چاہے گھر لٹ جاتا ہو، کھانے کو کچھ نہ رہتا ہو، یہ باتیں کچھ نہیں ہیں، فیصلہ کن بات یہ ہے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے، یہ شریعت کے خلاف، ہم علم رکھنے والے سے پوچھیں گے: اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضور ﷺ کے زمانہ میں تقریبات کیسی ہوتی تھیں؟

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی عقل ایمانی

ایک بڑے صحابی جو عشرہ مبشرہ میں ہیں، یعنی وہ ان دس خوش قسمت صحابہ میں شامل ہیں جن کو حضور ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں نام لے لے کر کہہ دیا کہ یہ جنتی ہیں، حضور ﷺ کو بتا دیا گیا کہ یہ جنت میں جائیں گے، ان ہی میں ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ بھی تھے، پھر مہاجر بھی تھے، مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، قریشی تھے، آپ ﷺ ہی کے قبیلہ کے تھے، اور ممکن ہے اوپر جا کر کئی کئی رشتے نکلتے ہوں، آپس میں برادری میں شادیاں ہوتی ہیں، اور بڑی بات یہ کہ تھوڑے سے آدمی مکہ معظمہ سے آئے تھے، اور جب کوئی کسی ملک سے کسی دوسرے ملک کو جاتا ہے تو عام طور سے قریب قریب رہتا ہے، ذرا آسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو سمجھتا ہے، ایک دوسرے کی

ضرورتوں کو جانتا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے، معیار کو سمجھتا ہے، چنانچہ بمبئی کے لوگ جو تاجر تھے، سب کراچی جا کر ٹھہرے، یہ کاروباری شہر ہے، تجارتی مرکز ہے، میمن لوگ اور جو پنجابی کہلاتے تھے، جن کا کاروبار بمبئی میں، دہلی میں ہر جگہ تجارت کا تھا، وہ لاہور میں رہے یا کراچی میں، اکثر لوگ کراچی میں مقیم ہوئے، اس لیے کہ ہر ایک دوسرے کی زبان سمجھتا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں، آپس میں ہمدردی ہوتی ہے، رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضور ﷺ کے قریب ہی رہے ہوں گے، اور مدینہ طیبہ اس وقت کوئی بہت بڑا شہر بھی نہیں تھا، تعجب ہے، حدیث کی روایت ہے، ماننا پڑتا ہے، کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لباس کچھ زیادہ اچھا تھا، خوشبو آرہی تھی، عطر لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: عبدالرحمٰن! خیریت ہے، کیا بات ہے؟ بے تکلفی میں آپ نے پوچھ لیا، انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں نے شادی کی ہے، اس لیے یہ عطر وغیرہ ہے۔''

ہم نے بڑے مجمعوں میں کہا، علماء کے سامنے کہا کہ آج تک کسی حدیث یا سیرت و تاریخ کی کتابوں سے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ایک حرف بھی زبان سے شکایت کا فرمایا ہو، کسی شہر یا قصبہ میں کوئی تقریب ہو، کسی بہت جاننے والے کی، تو کہا جاتا ہے کہ خبر تو کی ہوتی، چاہے ہم نہ آسکتے، دعا کر دیتے، اور پھر حضور ﷺ سے بڑھ کر دعا کسی کی ہو سکتی ہے؟ کچھ نہیں، کچھ نہیں، دعا کے لیے تو خبر کرتے کہ یارسول اللہ! میں شادی کرنے جارہا ہوں، دعا فرمایئے! اللہ مبارک فرمائے اور آپس میں الفت دے۔

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی عقل ایمانی تھی کہ ہم جتنی دیر کے لیے آپ کو تشریف رکھنے کی دعوت دیں گے، اتنی دیر میں معلوم نہیں وحی کا کتنا حصہ نازل ہو جائے گا، اور کیا معلوم کوئی روزنامچہ ہوتا کہ کل کون سا حصہ نازل ہوا، آج کون سا حصہ نازل ہوا، تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے یہاں شادی کا تھا، اس وقت بھی قرآن مجید کی کوئی سورہ یا اس کا کوئی حصہ نازل ہو رہا تھا، وہ جگہ اس کے لیے مناسب نہیں تھی، اس کے لیے آپ کی

اپنی جگہ تھی، پھر ہوسکتا ہے کہ اس وقت میں کئی آدمیوں نے اسلام قبول کیا ہو، آپ نے ایک حرف شکایت کا نہیں کہا، انہوں نے ایک حرف معذرت کا نہیں کہا، کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ کو زحمت ہوتی، یہ مجبوری تھی، وہ دشواری تھی، کچھ نہیں کہا، خود انہوں نے معذرت کی ضرورت سمجھی، نہ آپ کے دل میں شکایت پیدا ہوئی، اس طرح شادیاں ہوتی تھیں۔

عقیدہ سب سے پہلے پھر نماز

اسی طریقہ سے اور باتیں ہیں، پانچ وقت کی نماز ہے، سب سے پہلے عقیدہ کی بات ہے، معلوم کیجیے کیا توحید ہے؟ کیا شرک ہے اور کیا ایمان ہے؟ کیا کفر ہے؟ اور پھر اس کے بعد احکام ہیں، فرائض ہیں، پانچ وقت کی نمازیں ہیں، آپ کچھ کر لیجیے مگر ان پانچوں نمازوں کا اپنے اپنے وقت پر پڑھنا لازمی ہے، یہ جمعۃ الوداع ہے، چاہے وہ چار آدمیوں کے ساتھ ہو، اور جمعۃ الوداع پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ادا ہوتا ہے، اور عید کی نماز اس سے بڑی دھوم دھام سے ہوگی، لیکن نماز نماز ہی ہے، چاہے جانماز بچھا کر پڑھنا پڑے، مٹی پر پڑھنا پڑے، جنگل میں پڑھنا پڑے، وہ جمعۃ الوداع کی نماز سے جو ابھی پڑھی گئی اور اس سے بھی بڑھ کر کہ خانہ کعبہ میں جو پڑھی گئی ہے، اس سے بھی وہ کم نہیں ہے، یعنی اللہ کا حکم ہونے میں اور اس پر عمل کرنے میں سب برابر ہیں۔ اب جو نمازیں آئیں گی ان کا مرتبہ یہی ہوگا۔ ان کے پڑھے بغیر فرض ادا نہیں ہوگا، آپ نے فجر کی نماز چھوڑ دی، چاہے آپ اپنا گھر لٹا دیجیے، آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ گھر کیوں لٹا دیا؟ آپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ فجر کی نماز کیوں نہیں پڑھی؟

سب سے پہلے عقیدہ کا درجہ، اس میں بھی سب سے پہلے توحید، پھر رسالت حضور ﷺ کی کہ اس کے مانے بغیر کوئی نجات نہیں پاسکتا، چاہے کوئی ہو، جب تک آپ کو آخری پیغمبر، آپ کی شریعت کو آخری شریعت نہ مان لے، اور اس پر چلنے نہ لگے۔

زکوٰۃ اور حج

نماز کے بعد پھر زکوٰۃ کا درجہ ہے، معلوم نہیں، کتنے بھائی ایسے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض

ہے، کسی سے پوچھتے ہی نہیں: کب زکوۃ فرض ہوتی ہے؟ کتنی مقدار میں زکوۃ فرض ہوتی ہے؟ عالموں سے پوچھنا چاہیے: اور کئی بھائی ہوں گے، حج ان پر فرض ہو چکا ہے مگر کسی سے پوچھتے نہیں: کیسے حج فرض ہوتا ہے؟ اس کی کیا صورت ہے؟ بس ایک رسم و رواج پر زندگی چل رہی ہے۔

شریعت کی مکمل پیروی

عید کی، بقرعید کی نماز بڑی دھوم دھام سے پڑھ لیں گے اور کسی سے کچھ پوچھنا، معلوم کرنا نہیں، اور پھر شادی، اور یہ رسم و رواج نہیں ہے، سب شریعت کے کام ہیں، بیٹے کی شادی کرنا اور بیٹی کو رخصت کرنا، یہ سب شریعت کا حکم ہے، اور شریعت کی طرف سے ہدایات ہیں، دین کا کام ہے، مگر اسے ویسا ہونا چاہیے جیسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

پھر اس کے بعد یہ فضول خرچیاں ہیں، سودی قرض ہے، اسراف ہے، نام و نمود کے لیے، شہرت کے لیے بڑی بڑی دعوتیں کرنا، حکام کی خوشامد کرنا، ان سے تعلقات پیدا کرنا کچھ کام نہیں آئے گا۔ ”حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ“ ”هَوٰى“ کا لفظ ایسا کہہ دیا جو سب پر صادق آتا ہے، جس کو دل چاہتا ہے، جس سے دل خوش ہوتا ہے، جس سے تعریف ہوتی ہے، جس سے دل کو اطمینان ہوتا ہے، یہ سب معیار اس کے تابع، اس کے پیرو نہ ہو جائیں، اس کے قدموں کے نیچے نہ آ جائیں، جس کو میں لے کر آیا ہوں، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ“، جو حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، سیرت نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ سمجھیں گے۔

آئندہ نسل کی حفاظت کیجیے!

آخری بات یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کی حفاظت کیجیے، مکتب قائم کیجیے، دینی تعلیم کو رواج دیجیے، قریب مدرسہ ہے، وہاں اپنے بچوں کو بھیجئے کہ محلّے کے بچے، برادری کے برادری کے بچے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ قرآن کو پڑھنے لگیں، دینی کتابوں کو سمجھنے لگیں گے، عقائد و فرائض اور احکام سے واقف ہو جائیں گے تب ہی مسلمان رہ سکیں گے، یہ

آپ کو بتا دیتا ہوں، اس وقت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے، لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے، کتابوں میں بھی آ گئی ہے، تحریروں میں بھی آ گئی ہے، اخباروں میں بھی آ گئی ہے کہ اس ملک میں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہیے، یہ ہندو مسلمان کا فرق جو ہے، صحیح نہیں، بات بات میں کہنا کہ ہم مسلمان ہیں، اس کے لیے ہم قرآن شریف پڑھ سکیں، دینی مذہبی کتابیں پڑھ سکیں، اردو پڑھ سکیں، یہ سب کچھ نہیں، یہاں بس ہندستانی بن کر رہنا چاہیے کہ ہم اس کے قابل اور ہم یہاں کی زندگی میں کھپ جائیں اور کوئی چیز ضروری نہیں۔

خطرناک منصوبہ

تو اس وقت بہت خطرناک منصوبہ چل رہا ہے، مسلمانوں کے ذہنوں سے، جن کو اللہ نے اولاد دی ہے یا جن کے زیر اثر ایک نئی نسل ہے، انہیں بالکل اس کی فکر نہ رہے، ان کا عقیدہ کیا ہوگا، کس شریعت کو مانیں گے، پیغمبر کو مانیں گے، اس کے حکموں کو مانیں گے، اس کی پیروی کریں گے، دیندار بنیں گے، اللہ کو راضی کرنے اور ناراض کرنے کا فرق پہچانیں گے یا نہیں، تو آپ کے لیے فرض ہے اور ساری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ مکتب قائم کریں، مدرسہ قائم کریں، اور گھر میں بھی ایسا ماحول بنائیں، بیبیوں سے کہہ دیجیے، خواتین، مستورات سے کہہ دیجیے کہ گھر میں دینی باتیں کیا کریں، بچوں کو انبیاء کے قصے، صحابہ کے واقعات، صلحاء کی حکایات بیان کیا کریں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں کہ انہوں نے توحید کا کیا نمونہ پیش کیا، اور کس طرح سے بتادیا کہ جن کو آپ لوگ پوجتے ہیں، ان کے قبضہ میں نہیں ہے، جن کی آپ پرستش کرتے ہیں وہ کچھ نہیں کرسکتے، میں نے ان کے ساتھ کیا کیا، وہ اپنے کو بھی نہیں بچا سکے تو آپ کو وہ کیا بچائیں گے؟ انبیاء علیہم السلام کے قصے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور پھر سرور کائنات حضور ﷺ کے قصے سنانا اور ان سے واقف کرانا اور محبت پیدا کرنا۔

آخری بات

یہ سب چیزیں ضروری ہیں، یہ چیزیں آپ اپنے ساتھ لے کر جائیے، عید میں لوگوں کو

جلدی ہوتی ہے، ملنا ملانا ہوتا ہے، اس لیے اس وقت ہم نے ذرا اطمینان سے بات کہہ دی کہ نہ کھانا ہے اور نہ کوئی اور کام درپیش ہے، بس ان چیزوں کو یاد رکھیے اور میں پھر اس حدیث کو دہراتا ہوں: ''تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی چاہتی چیز، اس کی پسندیدہ چیز اس کے تابع، اس کے پیرو نہ بن جائے، اس کی خادم نہ بن جائے، اس کا چاکر نہ بن جائے جس کو میں لے کر کے آیا ہوں، جو شریعت لے کر کے آیا ہوں''۔ (۱)

(۱) پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ (شمارہ ۲۵ / اپریل ۱۹۹۲ء)۔

رمضان مغفرت کا مہینہ ہے

’’ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، صحابہ کرامؓ منبر سے قریب ہو گئے۔ جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین!، جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین!، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین!، جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر نیچے اترے تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انھوں نے فرمایا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی۔ میں نے کہا: آمین!، پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا کہ: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین!، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پائیں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ داخل ہو جائے۔ میں نے کہا: آمین!۔‘‘(۱)

رمضان ایسا زریں موقع ہے کہ اس میں کوشش کرے تو ایک رمضان سارے گناہ بخشوانے کے لیے کافی ہے۔ جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور یہ یقین کر کے رکھے، کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدے سچے ہیں، اور وہ تمام اعمال حسنہ پر بہتر بدلہ عطا فرمائے گا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ”مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ “ یعنی جو شخص رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھے، اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

---

(۱) رواه الحاكم والطبراني والترمذي، فضائل رمضان از حضرت شیخ الحدیثؒ، ص:۱۶

مسلمانوں کا اصل مرض بدنیتی نہیں بے نیتی ہے

ایمان واحتساب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام وعدوں پر یقین کامل ہو، اور ہر عمل پر ثواب کی نیت کرے، اور اخلاص للّٰہیت اور رضائے الٰہی کا حصول پیش نظر ہو، اور ہر عمل کے وقت مرضی الٰہی کو دیکھے۔ ایمان واحتساب ہی ہے جو انسان کے عمل کو فرش سے عرش پر پہنچا دیتا ہے۔ اصلاً اسی کا فقدان ہے، مسلمانوں کا اصل مرض بدنیتی نہیں بلکہ بے نیتی ہے، یعنی سرے سے وہ نیت ہی نہیں کرتے، ہم وضو کرتے ہیں مگر اس میں نیت نہیں کرتے، ہم دوسرے ارکانِ دین ادا کرتے ہیں مگر ایمان واحتساب ہمارے پیش نظر نہیں رہتا، جب بہت سے لوگ کسی کام کو کرتے ہیں تو وہ رسم بن جاتی ہے، روزہ کا ایک عام ماحول ہوتا ہے، ایسے میں کوئی اس اندیشہ سے روزہ رکھے کہ ہم روزہ نہ رکھیں گے تو چھپ کر کھانے پینے سے کیا فائدہ؟ یہ خیال آیا تو روزہ کی روح نکل گئی۔ بیماریوں میں بھی اکثر بھوکا رہنا پڑتا ہے، سفروں میں بھی اکثر کھانا نہیں ملتا، اس لیے روزہ کی خصوصیت صرف بھوکا رہنا نہیں ہے، روزہ کی حقیقت ہے اللہ کے حکم کی تعمیل، جو چیزیں چھوڑنے کو کہی گئی ہیں ان کو چھوڑ دینا، پہلے ہم یہ کیفیت پیدا کریں کہ اللہ تعالیٰ برحق ہے، ثواب کی لو لگی ہو، اور دل کو تسلی ہو، کہ ثواب مل رہا ہے، اسی میں لطف آئے۔

اعمال کی مقبولیت کی علامات وآثار

کسی عبادت کی خصوصیت اور اس کی مقبولیت کی دلیل یہ ہے، کہ اس کی ادائیگی سے دل کے اندر رقت، نرمی، تواضع اور انکساری کا جذبہ پیدا ہو، لیکن جب اس کے برعکس کبر وغرور، اور عجب پیدا ہو، تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہماری عبادت مقبول نہیں ہوئی، اس میں کمی رہ گئی ہے، اس لیے ان چیزوں کو دور کرنے کے لیے ایمان واحتساب کو پیش نظر رکھنا اور اس کا استحضار رہنا ضروری ہے، بے سوچے سمجھے، بغیر نیت کے روزہ رکھ لینا، کوئی اور عبادت ادا کرنا بے معنی ہے۔ ایک صاحب فرمانے لگے: ”میں اس لیے روزہ رکھتا ہوں کہ جو مزہ افطار کے وقت آتا ہے، وہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں“، حالانکہ ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی نہیں تھا! ہمیں چاہیے کہ ہم دن میں کئی بار نیت کو تازہ کر لیا کریں، ہر وقت استحضار رکھیں، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا ہے کہ ابن آدم کے ہر عمل پر اس کو دس سے سات سو گنا تک ثواب ملے گا، اللہ نے فرمایا سوائے روزہ کے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ الصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، یہ بندہ تمام محبوب چیزیں میرے لیے چھوڑتا ہے، اس لیے میں خود ہی بدلہ دوں گا۔"(۱)

اعمال طاقت پیدا کرتے ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ دین کے جتنے ارکان ہیں وہ طاقت پیدا کرتے ہیں، یعنی ایک عبادت دوسری عبادت کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے، اور اس کے لیے تقویت کا باعث بنتی ہے، جس طرح سے ایک غذا دوسری غذا کے لیے معاون ثابت ہوتی ہے، اسی طرح ایک فرض کی ادائیگی دوسرے فرائض کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتی ہے اور اس کو طاقت فراہم کرتی ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہر رکن الگ الگ ہے۔ ہر ایک کی فرضیت اور اس کی اہمیت تو بہر حال اپنی جگہ ہے، مگر ایک دوسرے سے الگ نہیں؛ بلکہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے ہے، اسی طرح سے روزہ سال کے پورے گیارہ مہینے کی عبادت کے لیے طاقت پیدا کرتا ہے، روزہ کی وجہ سے دوسرے عبادات کی ادائیگی میں ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے اور توانائی ملتی ہے۔

روزے کا مقصد نفس پر قابو پانا ہے

تیسری بات یہ ہے کہ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ نفس پر قابو پایا جائے اور روزہ کی وجہ سے نفس پر قابو پانا آسان ہو جائے، دین کا ذوق وشوق پیدا ہو، عبادات کی ادائیگی میں شوق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [سورة البقرة: ۱۸۳] ۔ یعنی ہر کام کے کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مرضی کا خیال رکھا جائے، تقویٰ کا ترجمہ بعض لوگوں نے "لحاظ" سے کیا ہے، یعنی ہر کام کے کرتے وقت اس کا لحاظ رکھا جائے، یہ کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں، حلال وحرام کی تمیز ہو جائے۔ اس طرح سے مشق ہو جائے کہ فطرت بن جائے، جس طرح سے آپ عید کے دن کھانے پینے میں جھجک محسوس کرتے ہیں، کیوں کہ ایک مہینے سے دن میں کھانے پینے کی عادت چھوٹ گئی تھی، اس وجہ سے آپ کو کھانا پینا خلافِ عادت معلوم ہوتا ہے، حالانکہ یہ

---

(۱) رواه مسلم، حديث رقم ۲۷۰۷

عارضی چیز تھی؛ اسی طرح سے گناہوں سے اجتناب، معاصی سے پرہیز، غیبت و بدگوئی، غصہ و بغض سے پرہیز اس طرح ہو کہ آپ کی فطرت بن جائے، جو چیزیں دائمی طور پر حرام ہیں، ان کو کرنے میں تو اور بھی زیادہ آپ کو چوکنا رہنا چاہیے۔ روزہ سے زندگی میں تبدیلی ہونی چاہیے۔ آپ روزہ رکھیں لیکن گالی دینا، غیبت کرنا، بدگوئی و غصہ و بغض کرنا نہ چھوڑیں، تو روزہ سے کوئی فائدہ نہیں۔

اصل بات تو یہ ہے کہ روزہ آپ کی زندگی کے اندر واضح تبدیلی کر دے۔ روزہ میں آپ نے معاصی سے اجتناب کیا ہے، تو اس پر قائم رہیے، اور ان معاصی کا ارتکاب نہ کیجیے، جن کو آپ نے روزہ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، اگر روزہ کے ختم ہوتے ہی تمام معاصی میں پھر مبتلا ہو گئے، تو اس سے یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اس نے روزہ تو رکھا مگر روزہ مقبول نہیں ہوا، حج تو کیا مگر حج قبول نہیں ہوا، آپ اس طرح سے روزہ رکھیے کہ کوئی غیر مسلم بھی دیکھے، تو سمجھے کہ یہ واقعی روزہ رکھتے ہیں اور یہ رمضان کے دن ہیں، پورے احترام کو ملحوظ رکھا جائے، اور تمام تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے اور اس سے کوئی الجھنے لگے تو کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں"، نفس کی تمام کمزوریوں کو دور کرے، غصہ کم کر دے، بغض و حسد کو دور کر دے۔ روزہ اس طرح سے نہ رکھے کہ غصہ میں بھرا ہوا بیٹھا رہے اور لوگ اس سے محض اس وجہ سے گفتگو کرتے ہوئے خوف محسوس کریں کہ بھائی! ان سے گفتگو نہ کرو، ورنہ یہ بگڑ جائیں گے۔ کھانے میں ذرہ برابر نمک کی کمی ہو، تو غصہ کی انتہا کر دے، ان تمام معاصی سے پرہیز کرے۔ اگر روزہ کے تمام تقاضوں کا لحاظ رکھا گیا، تو اس کا اثر پورے گیارہ مہینوں پر پڑے گا، اور اس کی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی ہوگی۔

روزے کا منشا

چوتھی بات یہ ہے کہ روزہ جن چیزوں سے معمور کیا گیا ہے، اس کا لحاظ رکھیں، روزہ کا یہ منشا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ نہ تلاوت کیا، نہ صدقہ، نہ خیرات کی، نہ تراویح پڑھی، صرف روزہ رکھ لیا، اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ توبہ

واستغفار کا اہتمام ہو، دعا کی طرف زیادہ توجہ ہو، آخر شب میں اہتمام سے اٹھیں کیوں کہ اس کی زیادہ اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ اس وقت پکارتا ہے کہ ہے کوئی میرا دوست! جو مجھے پکارے اور میں اس کو سنوں۔ رسول اکرم ﷺ اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔

خیرات وصدقات کا مہینہ

اس مہینے میں خیرات وصدقات بھی زیادہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ماہ مبارک کو شَہْرُ الْبِرِّ وَالْمُوَاسَاۃِ [1] فرمایا ہے یعنی نیکی اور غمخواری کا مہینہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف زیادہ توجہ ہو، اور صدقات وخیرات میں زیادہ حصہ لے، لوگوں کے حالات کا سراغ لگا کر پتہ چلائے، ان کے یہاں تحائف اور ہدایا بھیجے۔ اللہ کے کتنے بندے ایسے ہیں، جن کو صرف روزہ افطار کرنے کے لیے مسجد میں مل جاتا ہے، پھر وہ بھوکے رہتے ہیں۔ اس لیے ایسے ضرورت مند لوگوں کا پتہ لگا کر ان کی مدد کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ اس کا بڑا ہی اہتمام فرماتے تھے۔ آپ کے متعلق آتا ہے، أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ دوسرے موقع پر آتا ہے: فَلَهُوَ أَجْوَدُ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ یعنی طوفان کی طرح سخاوت کرتے تھے، اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اور دل کھول کر غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کرتے تھے۔

توبہ واستغفار کا مہینہ

انسان کو سمجھنا چاہیے کہ ہماری عبادت کیا، ہم تو اللہ تعالیٰ کے لائق کچھ بھی عبادت نہیں کر سکتے، ہم توبہ استغفار بھی اچھی طرح نہیں کر سکتے، اس لیے ہمیں بھوکوں، لاچاروں اور مسکینوں ہی کی مدد کرنی چاہیے، تاکہ ممکن ہے اللہ کے کسی بندے کا دل خوش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمالے اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے۔ ہماری عبادت، ہماری تلاوت، ہماری نماز تو لائق قبولیت نہیں لیکن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے سے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی کو قبول فرمائے۔ اس مہینے میں ہمیں پوری طرح خیرات وصدقات کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اور ہم کمر کس لیں

(۱) دیکھیے: شعب الإيمان للبيهقي، ص:۳/۳۰۵، حديث رقم ۳۶۰۸

کہ اس مہینے سے پورا فائدہ اٹھائیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے " یَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَدْبِرْ "یعنی اے خیر کے طلب کرنے والے! آگے بڑھ اور اے برائی کے طلب کرنے والے! پیچھے ہو، دوسری جگہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے پوچھے گا کہ " اے بندے میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا"، بندہ جواباً عرض کرے گا کہ اے خداوند قدوس! تو کیسے بیمار ہو سکتا ہے؟ تو کیسے بھوکا رہ سکتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ " میرا فلاں بندہ بیمار تھا، اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے وہاں پاتا، میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے وہاں موجود پاتا"۔ (أَوْ كَمَا قَالَ)

ہمدردی وغمگساری، ایثار وخیر خواہی کا مہینہ

اس لیے یہ ضروری ہے کہ جو محتاج و بیوائیں ہیں، جو فقراء و مساکین ہیں، ان کی مدد کی جائے، غریبوں کی جو لڑکیاں ہیں، ان کی شادی کرادی جائے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہم سے محاسبہ کرے گا، اور سخت باز پرس کرے گا۔ یہ ہمارا مال نہیں جسے ہم خرچ کرتے ہیں، بلکہ یہ اللہ کی امانت ہے، ہم اگر اس کو تقریبات میں خرچ کرتے ہیں تو غلط کرتے ہیں، اگر اس کو بے محل صرف کرتے ہیں تو ناجائز کرتے ہیں۔ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اس کو صرف کریں، ہمیں اس کی فکر ہونی چاہیے کہ کتنی بیوائیں اور یتیم ہیں، کتنے محتاج و مساکین ہیں جنہیں ضرورت ہے؟ ہمیں ان تمام جگہوں پر صرف کرنا چاہیے جہاں دوسروں کی مدد ہو سکے، اور اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ (۱)

---

(۱) ہفت روزہ " ندائے ملت " لکھنؤ (شمارہ ۱۵ر جنوری ۱۹۶۵ء)۔

عید الفطر

مسلمانوں کے دو سب سے بڑے تہوار عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں، جن کو عید و بقر عید کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ عید، رمضان کے مہینہ کے خاتمہ اور شوال (جو اسلامی کلنڈر کا دسواں مہینہ ہے) کے چاند نکلنے پر شوال کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے، چونکہ رمضان کا مہینہ روزے کا مہینہ ہے، اور وہ صبر و عبادت، ضبط نفس اور دینی و روحانی اشغال میں گزرتا ہے، اس لیے قدرتی طور پر عید کے چاند کا بڑا انتظار ہوتا ہے، خاص طور پر انتیسویں کے چاند کی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اردو میں عید کا چاند اور انتیسویں کا چاند شوق و مسرّت کے لیے ضرب المثل بن گئے ہیں۔ رمضان کی انتیس کو آفتاب غروب ہونے کے وقت مسلمانوں کی نگاہیں آسمان کی طرف ہوتی ہیں، اور ہر عمر اور ہر طبقہ کے لوگ چاند کی تلاش میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ انتیسویں کو چاند نظر نہیں آتا تو اگلے روز پھر روزہ رکھا جاتا ہے، اور تیس کا چاند یقینی ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی چاند پر نظر پڑتی ہے ہر طرف سے مبارک، سلامت کا غل بلند ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑوں کو سلام کرتے ہیں، بچے خاندان کے بزرگوں اور خواتین کو عید کا مژدہ سناتے ہیں، اور ان کی دعائیں لیتے ہیں۔ جو لوگ پڑھے لکھے ہیں، اور سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ چاند دیکھ کر حسب ذیل دعا کرتے ہیں: (رَبِّی وَرَبُّكَ اللهُ! هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ، وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى)، (اے چاند) میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے، تو ہدایت اور بھلائی کا چاند ہے۔ اے اللہ! اس مہینہ کو ہمارے اوپر ایمان و سلامتی اور فرمانبرداری اور اپنی مرضیات کی توفیق کے ساتھ شروع فرما۔

عید کا استقبال اور اس دن کے اعمال

کئی دن پہلے سے عید کی تیاری شروع ہو جاتی ہے، لیکن عید کی رات میں بڑی ہماہمی اور

بازاروں اور گھروں میں چہل پہل ہوتی ہے، صبح سے عید کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے لیے کہ آج روزہ نہیں ہے اور خدا نے ۲۹ یا ۳۰ دن کے برخلاف آج کھانے پینے کی اجازت دے دی ہے، صبح ہی صبح حسب حیثیت کھجور یا شیر خرمے سے تواضع کی جاتی ہے، پھر غسل کا اہتمام شروع ہوتا ہے۔ خدا نے جن کو مقدرت دی ہے، وہ اس دن نیا جوڑا پہننا ضروری سمجھتے ہیں۔ نہا دھو کر، کپڑے پہن کر، عطر خوشبو لگا کر، لوگ عید گاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ عید گاہ جانے سے پہلے غریبوں کے لیے کچھ غلہ یا نقد نکالتے ہیں، جس کو صدقۂ فطر کہتے ہیں۔ یہ گویا رمضان کے روزوں کا شکریہ ہے۔ اگر گیہوں کی شکل میں ہو تو اس کا وزن پونے دو سیر کے قریب ہوتا ہے، اور اگر جو ہو تو اس کا دوگنا، اور اس کی قیمت بھی ادا کی جا سکتی ہے جو غلہ کے نرخ کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، یہ صدقہ بالغوں کے علاوہ بچوں کی طرف سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ عید کی نماز سورج بلند ہونے کے بعد ادا کرنا سنت ہے۔ اور اس میں جتنی جلدی ہو اتنی ہی بہتر ہے، لیکن عید کے انتظامات کی وجہ سے ہندوستان میں اس کو تاخیر سے پڑھنے کا عام رواج ہو گیا ہے، پھر بھی دس سے لے کر گیارہ بجے دن تک عام طور پر پڑھ لی جاتی ہے۔ نماز عید کی اصل جگہ تو شہر سے باہر میدان یا عید گاہ تھی لیکن اب سہولت پسندی، آبادی کی کثرت، وقت کی قلت اور شہروں کی وسعت کی وجہ سے محلوں کی مسجدوں میں عید کی نماز پڑھنے کا رواج بہت بڑھ گیا ہے، پھر بھی سب سے بڑی جماعت شہر کی عید گاہ میں ہوتی ہے۔

عید کی نماز

مسلمان عید کی نماز پڑھنے جب جاتے ہیں تو راستہ میں اللہ کی تعریف اور شکر کے الفاظ آہستہ آہستہ کہتے ہوئے جاتے ہیں۔ مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے عید گاہ جائے اور دوسرے راستہ سے واپس آئے، تاکہ دونوں طرف خدا کی عظمت اور مسلمانوں کے ذوق عبادت اور شانِ وحدت کا اظہار ہو جائے[1] لیکن اب فاصلہ کی زیادتی اور تمدن کی ترقی کے ساتھ عام طور پر سواریاں استعمال کی جاتی ہیں، اور دو راستوں کی پابندی تقریباً متروک ہو گئی ہے۔

---

(۱) اس سے یہ فائدہ بھی ہے کہ ازدحام میں کمی ہو جاتی ہے۔ (ح)

پنجگانہ نمازوں اور جمعہ کے برخلاف عیدین کی نماز سے پہلے نہ اذان ہے، نہ اقامت، نہ کوئی سنت، نہ نفل ہے، جیسے ہی مسلمان جمع ہو جاتے ہیں، یا نماز کا وقت آ جاتا ہے، امام آگے بڑھ جاتا ہے، اور نماز شروع کر دیتا ہے۔ عام نمازوں کی طرح ہر رکعت میں دو تکبیریں ہیں ایک تکبیر تحریمہ جس سے نماز شروع کی جاتی ہے اور ایک رکوع کی تکبیر لیکن عیدین کی نماز میں حنفیوں کے یہاں ہر رکعت میں چار تکبیریں ہیں (۱)، سلام پھیرنے کے بعد فوراً امام منبر پر چلا جاتا ہے، اور عید کا خطبہ دیتا ہے، جو جمعہ کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک خطبہ دے کر چند سکنڈ کے لیے وہ بیٹھ جاتا ہے، پھر کھڑا ہوتا ہے، اور دوسرا خطبہ دیتا ہے۔ جمعہ میں پہلے خطبہ ہے پھر نماز، عید میں پہلے نماز ہے، پھر خطبہ۔ ہندوستان میں عام طور پر عربی میں خطبہ پڑھنے کا رواج ہے۔ اکثر امام خطبہ کی کتاب لے کر خطبہ پڑھتے ہیں۔ اب بہت جگہ (کم سے کم عید کے ایک خطبہ کا) اردو یا علاقائی زبان میں دینے کا رواج ہو گیا ہے، اس میں عید کی حقیقت، اس کا پیام، عید کے احکام و مسائل اور وقت کے مطالبات اور تقاضوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

عید کی نماز کے بعد ایک دوسرے سے ملنا اور تواضع کرنا

عید کے خطبہ سے فارغ ہوتے ہی لوگ ایک دوسرے سے معانقہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس معانقہ کا رواج ہندوستان کی خصوصیت ہے، معانقہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور نہ مرکزِ اسلام میں اس کا رواج ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ مسلمانوں نے اس کو اپنے ہم وطنوں کے بعض تہواروں کی رسموں، بالخصوص ''ہولی ملن'' سے اخذ کیا ہو، جو اظہار محبت و مسرت کا ایک نشان سمجھا جاتا ہے۔ عید گاہ سے واپسی پر لوگ گھروں پر عید ملنے جاتے ہیں، اور ایک دوسرے کی شیرینی سے تواضع کرتے ہیں۔ اس موقع پر سویوں کا ایسا رواج ہے کہ وہ عید کا ایک نشان (Symbol) بن گئی ہے۔ یہ بھی خالص ہندوستانی چیز ہے، دوسرے اسلامی ملکوں میں کسی قسم کی شیرینی اور عطر سے تواضع کرتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) عید کی نماز کی مفصل ترکیب مسائل کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (ح)

(۲) ''ہندوستانی مسلمان: ایک نظر میں''، از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شائع کردہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۸۵ء، ص: ۶۶-۶۹۔

عید رمضان کا انعام اور اس کا ثمرہ (۱)

جسے عید کہتے ہیں

اس مہینے کا اختتام جو مجاہدہ کا مہینہ تھا، زہد و عبادت کا مہینہ تھا، اور اپنی خواہشات پر غلبہ اور قابو پانے کا مہینہ تھا، اور نفس کی عنان روکنے کا مہینہ تھا، اور اللہ کی خوشی کے لیے اپنی خوشیوں اور خواہشوں کو قربان کرنے کا مہینہ تھا، اس مہینہ کا اختتام اللہ نے اس خوشی کے دن پر کیا جسے عید کہتے ہیں۔ یہ عید رمضان المبارک کے اختتام کا اعلان ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مذاہب وقوموں کے برخلاف، جن میں یہ دن کھل کھیلنے، مزے لوٹنے اور نفس کو آزاد چھوڑ دینے کی علامت ہوتا ہے، اس میں اس کے پہلے جو نا روا ہوتے ہیں وہ روا ہو جاتے ہیں، اور حدود و قیود سب پھلانگ دیے جاتے ہیں، اس دن کھلی چھٹی ہوتی ہے کہ آدمی اس وقت تمام قانونی، اخلاقی حدود کو پھلانگ جائے اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرے، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ دین کا مزاج ہے، ملت کا مزاج ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید جو خوشی کا دن تھا، تیس دن کے مجاہدہ کے بعد آیا تھا، بجائے اس کے کہ اجازت دے دی جاتی، اس میں آزادی جو چاہو کرو اور اپنی خوشی کا اظہار کرو، اور مست رہو اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرو؛ اس میں ایک زائد عبادت اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمائی، یعنی اس دن مسلمان نہا دھو کر آتا ہے اور خدا کی حضور میں دو رکعت پڑھتا ہے، یہ شکرانہ ہے رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی توفیق حاصل ہونے کا۔

تو عید کا تعلق رمضان سے ایسا ہے کہ عید کو رمضان سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا، عید درحقیقت ایک قدرتی پھل ہے رمضان کے درخت کا، اگر رمضان کا درخت نہیں ہے، اور اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ نہیں ہے، وہ درخت شاداب نہیں ہے، اور اس درخت کی تمام جڑیں

---

(۱) مسجد دائرہ شاہ علم اللہؒ (رائے بریلی) میں عید الفطر (۱۳۹۳ھ) کے موقع پر کی گئی تقریر۔

محفوظ نہیں ہیں، تو اس درخت سے کبھی پھل پیدا نہیں ہوسکتا اور اُسے پھل کا کوئی استحقاق نہیں ہوسکتا۔ وہ شخص جو کوئی درخت نہ لگائے، اس درخت پر ریاض نہ کرے، محنت نہ کرے اور اس کو پانی نہ دے، اس کو اس درخت کے پھل کھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے، اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ بے درخت کے اس کو پھل مل جائیں گے۔

اسی قانون پر ہم چل رہے ہیں، آم کا درخت لگایئے اور آم کا پھل کھایئے، خرید کر کھانا اور چیز ہے، آم کا درخت لگائے بغیر آپ آم نہیں کھا سکتے ہیں، آپ انگور کی کاشت کیے بغیر انگور نہیں پاسکتے، آپ سیب لگائے بغیر سیب نہیں توڑ سکتے، اور ایسے ہی رمضان کے بغیر عید کا کوئی استحقاق نہیں، بالکل یہ ایک غیر قدرتی، غیر اخلاقی غیر قانونی چیز ہے۔ عید ہے رمضان کا ثمرہ، عید ہے رمضان کا انعام، عید ہے رمضان کے درخت کا آخری شگوفہ، درخت نہیں تو شگوفہ کیا؟ اور پھل کیا؟ اور پھول کیا؟ اس طریقے سے رمضان اور عید ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جیسے کہ جسم اور روح ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں، جس طرح سے کہ پھل اور درخت جو اس کا قدرتی نمو اور ارتقا ہے۔ درخت کیا ہے اور اس کا پھل کیا ہے؟ درخت کی زندگی کا خلاصہ پھل کیا ہے؟ درخت کی زندگی کا مظاہرہ پھل کیا ہے؟ درخت کا نقطۂ عروج اور اس کا نقطۂ ارتقاء، اگر درخت نہیں اور درخت کی شادابی نہیں اور درخت کی قوت نمو نہیں، اور درخت میں فیض اور فائدہ پہنچانے اور کسی کا پیٹ بھرنے اور کسی کو خوش کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھل بھی نہیں پیدا ہوگا۔ تو عید بغیر رمضان بالکل غیر معقول اور غیر قدرتی چیز ہے، یعنی دین کی فطرت کے خلاف ہے، رمضان کی فطرت کے خلاف ہے، اور انسان کی فطرت سلیم کے خلاف ہے۔ عید تو رمضان کا صلہ ہے، رمضان کا انعام ہے، رمضان کی عیدی ہے، جیسے آپ بچوں کو عیدی دیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو یہ عیدی دی ہے اس عید کی شکل میں۔

عید مختلف ادوار سے گزری

یہ عید کئی دوروں سے گزری ہے، ایک عید وہ تھی اصلی عید، جو ہر معنی سے عید تھی، وہ تھی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی، آپ کی موجودگی سے بڑھ کر عید کا کوئی تحفہ نہیں، اس وقت صحابہ کرام زبان حال سے کہتے ہوں گے:

انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

پھر حقیقی عید وہ تھی جب صبح وشام فتوحات کی خبریں آتی تھیں، اور اسلام کی قلم رو میں برابر اضافہ ہو رہا تھا، اور ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کا مصداق، کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ مسلمانوں کا پرچم اقبال کسی نئی جگہ پر نہ لہرائے، اور مسلمانوں کا ستارۂ اقبال کسی نئے افق سے طلوع نہ ہو۔ اس وقت کی عید کیا تھی؟ ''عید آزاداں شکوہ ملک ودیں''۔

وہ بھی عید تھی اور حقیقی عید تھی، عید کی نماز پڑھنے کے لیے جب مسلمان جاتے تھے تو ایک رمضان کے ۲۹ یا ۳۰ روزوں ہی کا شکریہ نہیں ادا کرتے تھے؛ بلکہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے ترانۂ شکر سے لبریز ہوتا تھا، ان کے ہر بن مو سے الحمد کی صدا آتی تھی، اور جس وقت وہ الحمدللہ کہتے تھے، یا عید کا ترانہ اور عید کی تکبیرات پڑھتے تھے، یا عید کی حمد وتہلیل بیان کرتے تھے، تو اس وقت ان کا دائرہ صرف رمضان تک ہی محدود نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ پوری زندگی کو حاوی تھا، زندگی کے ہر شعبہ میں ان کو نئی نئی کامیابیاں نظر آتی تھیں، دل مسرتوں سے لبریز، دماغ اعتماد اور بلندی کے احساس سے مخمور، مخمور نہیں تو معمور کم سے کم، سینہ ان تمام تمناؤں سے، حوصلہ مندیوں سے، مسرتوں سے، احساسات سے معمور تھا، جو چپ وراست چاروں طرف انہیں گھیرے ہوئے وہ حقیقی عید تھی۔

اس کے بعد صدیوں تک عید اسی طرح رہی، اسلام کا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا اور اسلام کا سیلاب تمام حدود کو چھوڑ رہا تھا، پہاڑوں کو بھی، ملکوں کو بھی، میدانوں کو بھی، وادیوں کو بھی، اور مرغزاروں کو بھی، اور بڑے بڑے متمدن ملکوں کو بھی، اور اسلام برابر اقدام کی حالت میں تھا، پیش قدمی کی حالت میں تھا، اس وقت بھی یہی حالت تھی کہ

عید آزاداں شکوہ ملک ودیں

وہ بغداد کی عید ہو، یا دمشق کی عید ہو، یا لاہور و دہلی کی عید ہو، اس وقت کی عید ان مسرتوں سے بھی ملی ہوئی تھی، اور وہ عید کی نقل نہیں تھی؛ بلکہ وہ حقیقی عید تھی۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ عید آئی جس کو کہہ سکتے ہیں کہ ''عید محکوماں ہجوم مومنیں''، یعنی

اب عید کا حاصل یہ رہ گیا ہے کہ مسلمان جتنی تعداد میں عام طور پر نہیں جمع ہوتے، اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں، تو سمجھیے کہ وہ مسلمانوں کی عید ہے، اور زیادہ غلام، زیادہ مظلوم بڑی تعداد میں، غلام اور مظلوم اور دکھے ہوئے دل والے، چوٹ کھائے ہوئے دماغ والے، بیتاب و بے چین روح والے، اور صدموں کو اٹھانے والے، ذلتوں کو سہنے والے، اور لوگوں کے طعنے سننے والے زیادہ تعداد میں جمع ہو جائیں، یعنی وہ اگر جمعہ کی نماز میں ہیں تو اس سے کم تعداد میں جمع ہوں گے، اور پانچ وقت کی نماز ہے تو اس سے بھی کم تعداد میں جمع ہوں گے، یہ دکھے دل والے جہاں زیادہ تعداد میں جمع ہوں گے، اس کو عید کہہ لیجیے اور جس جگہ پر جمع ہو جائیں اس کو عید گاہ کہہ لیجیے، یہ مظلوم اور یہ ذلت برداشت کرنے والے زیادہ بہتر لباس میں اور زیادہ دھوم دھام کے ساتھ آئیں اس کو عید کا دن سمجھ لیجیے، تو آج ہماری عید وہی ہے کہ عید کی حقیقی خوشی ناپید ہے، لیکن بہرحال ایک چیز تو قیامت تک رہے گی، مسلمان نشیب و فراز سے گزرتے رہیں گے، اس ملت کے لیے اللہ کی طرف سے مقدر یہی ہے، وہ ایک زندہ جاوید ملت ہے، اس کو قیامت تک رہنا ہے، زندگی تبدیلیوں سے بھری ہوئی ہے، اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے

زندگی نام ہی تبدیلیوں کا ہے، تو زندہ کے لیے تو تبدیلیوں سے گزرنا ناگزیر ہے، وہ زندہ نہیں جو تبدیلیوں سے نہ گزرے، نشیب و فراز سے نہ گزرے، وہ درخت شاداب نہیں جس میں بہار و خزاں نہ آئے، جس میں پت جھڑ نہ ہو، جس کی شاخیں نہ چھانٹی جائیں، اس کو کوئی دیوار کا نقش، اس کو فن تعمیر کا کوئی نمونہ کہہ لیجیے، اس کو آثار قدیمہ کی کوئی چیز کہہ لیجیے، لیکن درخت اسی کو کہیں گے کہ جو ان تمام مرحلوں سے گزرتا رہے، کبھی بہار آئے تو ایسی بہار آئے کہ اس کی پتی پتی مسکرا رہی ہو، اس کی رگ رگ میں رس رہی ہو، اور اس کے چاروں طرف مسرتیں برس رہی ہوں، اور خزاں آئے تو ایسی آئے کہ وہ پورا درخت نوحہ کناں اور مرثیہ خواں ہو، اور اس کو دیکھ کر لوگوں کے آنسو نکل آئیں، مگر درخت وہی ہے جو کبھی بہار سے بھی گزرے، اور خزاں سے بھی گزرے۔ یہ امت ایک سدا بہار درخت ہے، یہ امت کوئی فن

تعمیر کا نمونہ نہیں، یہ امت کوئی تاج محل نہیں، یہ امت کوئی قطب مینار نہیں جو کھڑا ہے تو کھڑا ہے، تاج محل بن گیا تو بن گیا نہیں! یہ ایک درخت ہے، اور درخت میں شادابی بھی آتی ہے، اور خشکی بھی آتی ہے، تو امت کے لیے ان تبدیلیوں سے گزرنا ناگزیر ہے؛ لیکن ایک چیز ہے جو نا قابل تبدیل ہے، وہ اس امت کا خدا کے ساتھ تعلق، اس امت کا شریعت سے تعلق ہے، فاتح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، مفتوح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، قلیل ہو جب بھی روزہ رکھے گی، کثیر ہو جب بھی روزہ رکھے گی، اور اگر اس کو فتح ملے تو اسی نماز روزہ کے راستہ سے ملے گی، اور اگر ذلت اس کے نصیب میں آئے گی تو اس میں کوتاہی کرنے کے سبب آئے گی، اس لیے یہ تبدیلیاں اس کی خارج میں ہیں؛ لیکن اس کے اندرون میں ملت کے اندرون میں کوئی تبدیلی نہیں، اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا، اس کا تعلق اپنی شریعت کے ساتھ ہمیشہ دائم رہے گا، جہاں کہیں اور جس خطۂ زمین میں ہو نماز پڑھتی ہوئی نظر آئے گی، روزہ رکھتی ہوئی نظر آئے گی، سب نہیں لیکن اس کی اتنی بڑی تعداد جو یہ ثابت کرتی ہے کہ ابھی دین زندہ ہے، اور ابھی قیامت نہیں آئی، اور امت نے مجموعی انحراف اور ارتداد کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے، آج ہم مرکز اسلام سے اتنی دور جگہ بیٹھ کر، یہاں جو لوگ ہیں، کم سے کم ان کے بارے میں یہی خیال کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیے کہ ان سب نے روزہ رکھا ہے، اور آج وہ عید کا انعام لینے یہاں آئے ہیں۔

باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصوروار

اپنے مالک کے سامنے سر جھکا کر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے، دوگانہ شکر ادا کر کے، وہ زبانِ حال اور زبانِ قال دونوں سے یہ کہہ رہے ہیں: مالک! جیسا روزہ رکھنا چاہیے ہم نے ہرگز نہیں رکھا، جیسی نمازیں پڑھنی چاہیے ہم نے ہرگز نہیں پڑھیں، قبل اس کے کہ ہمارے خلاف گواہیاں گزریں، ہم گواہی دینے کے لیے تیار ہیں، سو زبانوں سے کہنے کے لیے تیار ہیں، اور قسم کھا کھا کر کہنے کے لیے تیار ہیں، مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ، ہم سے ہرگز روزہ نہیں رکھا گیا، اور قبل اس کے کہ روزہ ہمارے خلاف گواہی دے، ہم خود اقراری مجرم ہیں، ہم کہہ رہے ہیں: ہم سے کوئی حق ادا نہیں ہو سکا، لیکن تیرا حکم تھا، ہم نے کم سے کم اس قانون کو

باقی رکھا، کم سے کم ہم نے اس سے بغاوت نہیں کی، ہم مقصر ہیں، گنہگار ہیں، قصور وار ہیں؛ لیکن باغی اور سرکش نہیں۔

وہ جو کسی نے مثال دی کہ ایک شخص پھٹا میلا کچیلا اور جگہ جگہ سے پھاڑ دیا گیا ہو، ایسا پھٹا ہوا نوٹ لے کر جاتا ہے ایک بینک کے کاؤنٹر پر جہاں نوٹ بھنتے ہیں، اور کہتا ہے: یہ نوٹ ہمارا خراب ہو گیا ہے، اسے بدل دو، کلرک یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے نوٹ کی یہ گت کیوں بنائی؛ بلکہ فوراً نیا نوٹ دے دیتا ہے؛ لیکن ایک شخص جاتا ہے اور وہ جا کر کھڑے کھڑے نوٹ لے کر کہتا ہے کہ لیجیے! آپ کے نوٹ کی یہ اوقات ہے میری نگاہ میں، اور پھاڑ دیتا ہے، تو فوراً اسے پکڑ لیا جاتا ہے، اور وہ باغی قرار پاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ تم نے حکومت کی توہین کی۔

تو خدایا ہم نوٹ کو پھاڑنے والے نہیں، ہم میلا کچیلا نوٹ لے کر آئے ہیں، تیرے حضور میں، ہم اس کے متمنی ہیں کہ تو اس میلے کچیلے، پھٹے ہوئے نوٹ کی جگہ پر ہمیں ایک صاف نوٹ عطا فرمادے، جس سے کہ تیرے بازار آخرت میں ہم سودا خرید سکیں، اور وہاں ہم کاروبار کر سکیں اور وہاں سے ہم پار ہو سکیں، ﴿فَأُولَـٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّـهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ [سورۃ الفرقان: ۷۰] کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ہم تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے؛ بلکہ سیئات کو حسنات سے بدل دیں گے، یہ نہیں کہ سو روپیہ کا نوٹ تم لائے تھے پھٹا ہوا، تو کہہ دیا کہ کوئی مؤاخذہ نہیں، بلکہ ایک نوٹ چھپا ہوا جو ابھی ٹکسال سے نکلا ہے، وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا جائے گا، کہ اب یہ نوٹ ہے اس نوٹ کی جگہ پر ﴿فَأُولَـٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّـهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾، خدایا! ہم ایسا ہی پھٹا ہوا نوٹ کیا، نامۂ اعمال لے کر آئے ہیں، تو کریم ہے، تو نکتہ نواز ہے، تو غفور الرحیم ہے، ہمارے روزے اور ان کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہے، دنیا کو معلوم ہو یا نہ ہو، کراماً کاتبین کو معلوم ہے، اور ان کو بھی معلوم ہونے ہو۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہرگز تیرے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں

ہیں۔ وہ تراویح جس کا ڈنکا بجتا تھا، جس کی ہم نے دھوم مچائی تھی، اس تراویح کا حال ہم کو معلوم ہے کہ امام کے شروع کرنے کے بعد سے برابر ہم اس مراقبہ میں رہتے تھے کہ کب ختم کرتا ہے، آج کتنا پڑھے گا، اور اللہ اس کو توفیق دے کہ جلدی ختم کرے، گھنٹہ پر ہمارے کان لگے ہوتے، قرآن کی آواز سے زیادہ گھڑی پر ہمارے کان اور ہماری نگاہیں لگی ہوئی ہیں، کہ جلد ختم ہو یہ تراویح، ہم تیرے حضور میں کیا پیش کریں؟ یا اس کے بعد کی جو نمازیں ہیں، تو ان کا وجود ہی کتنا ہوا، اور اگر ان کا وجود ہوا تو وہ وجود گفتہ ناگفتہ بہ ہیں۔ وہ وجود عدم وجود سے بدتر، ہم تو کوئی چیز تیرے سامنے پیش نہیں کر سکتے، مگر ہاں ہم وہی قصوروار ہیں، وہی ہم مفلس ہیں، وہی ہم غریب ہیں جو پھٹا ہوا نوٹ لے کر اور نوٹ بھی سو کا نہیں بلکہ ایک روپیہ کا، اور اگر اس سے بھی کم کا کوئی سکہ ہوتا تو وہ نوٹ لے کر تیرے حضور آئے ہیں، اب تیرے کریم دربار سے امید ہے کہ تو ہم کو اس کے بجائے ایک اجلا، ایک چمکدار محمدی ٹکسال سے نکلا ہوا نوٹ، اپنی کریم درگاہ سے نکلا ہوا نوٹ تو ہمارے ہاتھ میں رکھ دے گا، اور کہے گا کہ آج سے یہ تمہارا نوٹ ہے، اس نوٹ کو بھول جاؤ، ہم نے بھی محو کر دیا اس کو، اور تم بھی اپنے حافظہ سے اس کی یاد محو کر دو، شرمندگی کی بالکل ضرورت نہیں۔

بس یہی عید کا مطلب ہے، تم خدا کے سامنے وہی اپنی نمازیں اور روزے لے کر آئے، اور آج ہمیں یہ جرأت ہوئی کہ ہم اس کے سامنے آئیں، اور شکر ادا کریں، شکر کس بات کا؟ شکر ہوتا ہے نعمت کا، کیا ہم نے اس نعمت کی قدر کی؟ لیکن اسی نے یہ کہا کہ جیسے بھی تم روزے رکھو، ہمارا قانون پورا کر دو، تم کو حق ہے کہ تم عید کے دن آؤ، اور پھر یہی حق نہیں؛ بلکہ تم اچھے کپڑے پہن کر آؤ، غسل کر کے آؤ۔ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ غلاموں کی علامتیں لگا کر کے، اور سیاہ پوش ہو کر کے ہم آتے، کہ ہمارے روزے سیاہ پوش تھے، ہماری نمازیں سیاہ پوش تھیں، ہمارا نامۂ اعمال سیاہ پوش تھا تو ہم سیاہ پوش ہو کر آتے۔

کریم کا احسان

لیکن اس کریم نے ہم کو اجازت دی کہ نہیں، اچھے کپڑے پہن کر آؤ، عطر و خوشبو لگا کر آؤ، ایک دوسرے کو مبارک باد دو، اور آ کر دوگانہ شکر ادا کرو کہ دنیا یہ سمجھے کہ تم سے بہتر کسی

نے روزے نہیں رکھے، اور تم سے بہتر نمازیں کسی نے نہیں پڑھیں۔ تو یہ اس کا کرم ہے محض ہم تو اس کی چیز کو بگاڑتے ہیں، اور وہ ہمیں بناتا ہے، ہم اس کو عیب دار کرتے ہیں، اور وہ ہمیں سنوارتا ہے۔ ہمارا یہ معاملہ اس کی ہر نعمت کے ساتھ یہی ہے، پھل کھاتے ہیں خراب کردیتے ہیں، کپڑا پہنتے ہیں اور میلا کردیتے ہیں، لطیف غذائیں ہم کھاتے ہیں اور وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں کہ آدمی اس کے پاس سے نہیں گزر سکتا، اور اسی سے ملتا جلتا معاملہ ہمارا اس کے احکام اور فرائض اور عبادات کے ساتھ بھی ہے، اس کے باوجود وہ ہمیں رزق دے رہا ہے، وہ ہم پر عنایت کی نگاہیں کر رہا ہے تو ہم اسی کے حکم سے اور اسی کے دیے ہوئے حوصلہ سے یہاں آئے ہیں، ورنہ ہم کیا اور ہمارا حوصلہ کیا؟ ہم نے کیا روزے رکھے؟ کیا نمازیں پڑھیں؟ لیکن ہم وہی نمازیں لے کر اس کے حضور آئے ہیں، اور دو رکعت کا اضافہ کرتے ہیں، اگر ہمیں یہ جواب ملتا غیب سے آواز آتی کہ

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ برآسماں نیز پرداختی

تم نے فرض ہی کون سے اچھے پڑھے تھے کہ دوگانہ شکر ادا کرنے آئے ہیں؛ لیکن وہ کریم کہتا ہے: ﴿فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [سورۃ الفرقان: ۷۰]

"اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ"۔ (۱)

---

(۱) پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ (شمارہ ۱۰/ نومبر ۱۹۷۳ء)۔

عید الفطر کا پیغام (۱)

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ۔ ﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾. [سورة البقرة:۱۸۵-۱۸۶]

میرے بھائیو، دوستو، عزیزو اور بزرگو! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورہ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے، اور جن کی ابتدا ہوتی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [سورة البقرة:۱۸۳]، اور اسی میں یہ آیت ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ﴾ [سورة البقرة:۱۸۵]

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وہ تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا، یہ ۳۰ یا ۲۹ دن کے جو روزے ہیں، کوئی پہاڑ نہیں ہیں، یہ مسلسل چلتے ہیں، جلد ختم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ﴾ اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی، اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو" وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ " اور تاکہ تم شکر کرو۔

---

(۱) ۱۴۱۲ھ میں نماز عید الفطر کے موقع پر مسجد شاہ علم اللہ، تکیہ کلاں، رائے بریلی میں کی گئی تقریر۔

اللہ جل شانہ نے اس آیت میں عید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں لیا، لیکن عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کا کام، یہ سب اس میں آ گیا، کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان میں روزہ کی توفیق دے، رمضان آئے اور خیریت کے ساتھ، توفیق الٰہی کے ساتھ، دن کے روزوں کے ساتھ، رات کی عبادتوں کے ساتھ گزر جائے ﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾ اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے ہدایت دی، ایمان واسلام کی دولت سے نوازا، اور پھر توفیق دی، اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ؟ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سیکڑوں قومیں ہیں، وہ اتنا جانتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے، جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے۔ انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب رمضان آیا اور کب ختم ہو گیا؟ اور ان کے مہینوں اور رمضان میں کیا فرق ہے؟

تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا، جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں، اور پھر اس کے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی، سب کا انحصار توفیق پر ہے، ساری چیزیں جمع ہیں مگر توفیق نہیں تو کچھ نہیں، یعنی روزہ رکھنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہیے، بلوغ چاہیے، تو وہ بھی موجود ہے، صحت چاہیے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسئلے معلوم ہونے چاہئیں تو وہ بھی معلوم ہیں، حکومت روکتی، قانون روکتا، یا ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لیے روزہ رکھنا نامناسب ہے، نقصان دہ ہے، تو یہ بھی نہیں ہے، پھر روزہ کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ توفیق نہیں ہے۔

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہو سکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں یہ خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمام رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے، ان سب کے مجموعے کا نام توفیق ہے، اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آ گیا ہے، اس کا نام ہے "توفیق"۔

آپ دیکھیں گے، اپنے محلہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب

موجود، شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں، اس لیے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدَاكُمْ ﴾۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

چنانچہ مسنون بھی یہ ہے کہ عید آئے، عید الفطر ہو، تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے اور عید الاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ '' پکارتا ہوا آئے، اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے جائے اور دوسرے راستہ سے آئے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے، اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گواہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے، یہ کہتا رہے﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ تاکہ تم شکر کرو کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھوائے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ گیا تو اس کے لیے بھی نیت اچھی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں، سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں، روزمرہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے، لیکن اسلام تنہا مذہب ہے کہ اس میں خوشی کے دن کام بڑھا دیا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا نہیں؛ بلکہ کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے، کام ایسا مبارک ہوتا ہے، اور معقول ہوتا ہے اور انسانیت و شرافت کا ہوتا ہے، یہ جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں، وہ روزہ کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشراق و چاشت پڑھے، جو فرض و واجب نہیں ہیں، لیکن عید کی نماز بڑھا دی گئی۔ اور تہوار آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں، کوئی پوجا کرے یا نہ کرے، چرچ جائے نہ جائے، کرسمس ہے، چھٹی کا دن ہے، اور یہاں تو کام بڑھا دیا گیا کہ فجر کی نماز، پھر ظہر کی نماز، درمیان میں دوگانہ اور بڑھا لیں، یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ، چھٹی نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے۔

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے، الحمد للہ! ساری امتیں سبق بھلا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ

روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سبق یاد ہو، تنہا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچا پکا جیسا بھی ہو، تو جب اس کو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملی، سبق یاد کرنے والے لڑکے کو مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں اور اس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے، اس سے اس میں اضافہ ہوگا، کمی نہیں ہوگی۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں، دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں، بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور یہاں لینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو، اللہ کے سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو، اور پھر تکبیر پڑھو، اور اللہ کا شکر ادا کرو" وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ "۔

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی، اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سر نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں، اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں، دنیا کے سامنے لائیں کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے، بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرسمس، اور کہاں کی ہولی، دیوالی، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہو سکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہے، نہ اخلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ خدا کی شناخت ہے، اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے، کہاں کا تہوار، سارے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں۔ جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، پئیں اور خوش و خرم رہیں، کچھ فکر نہیں، ایسے ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں۔

آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ

اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں، وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کا پجاری ہے، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب، اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گزر رہی ہے، محلہ پڑوس میں کیا گزر رہی ہے، یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ تم حقیقی مسلمان ہوگے، اللہ سے ڈروگے، تو اللہ تمہیں شانِ امتیازی عطا فرمائے گا، دور سے پہچانے جاؤگے، دیکھو مسلمان آرہا ہے۔

یہ حالت تھی قرونِ اولیٰ میں کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے، مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے مصر پورا کا پورا مسلمان ہوگیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، طور وطریق بدل گیا، اور اسی طرح کیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھا؟ کیا شام پورا کا پورا مسلمان تھا؟ سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے، اور بت پرست تھے، زبانیں جداگانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ، تو گویا کہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہو، مشین سے ڈھلا ڈھلایا نکلا ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے پورا کا پورا ملک مسلمان بنادیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچ سب ختم سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے: (إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، كُلُّكُمْ مِنْ آدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ إِلَّا بِالتَّقْوَى) ''تمہارے باپ بھی ایک تھے تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک''۔

چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی، لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان میں آٹھ سو سال حکومت کی، مگر کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیوں کہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم ومحکوم کا فرق، اور وہاں حاکم ومحکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، کچھ تو اسلام کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں

نیچی ہوں، نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّ إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ [سورۃ الفرقان:٦٣]

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستہ کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کیا، شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادۂ الٰہی ہے، فیصلہ کن حکم الٰہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، لاکھوں کی رقم پر لات مار سکتے ہیں، ٹھوکر مار سکتے ہیں، مگر اصول کے خلاف، شریعت کے خلاف نہیں جاسکتے۔ یہ نمونہ آج دکھانے کی ضرورت ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لیے بھی ایسا پرکشش، جاذبِ نظر، قابلِ احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچیں اور بڑھیں۔ (1)

---

(1) ''رمضان المبارک کا پیغام ہندوستانی مسلمانوں کے نام'' از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، طبع: رائے بریلی، صفحہ ۲۵ تا ۳۲۔

رمضان کے بعد

رمضان ایک دور کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک دور کا آغاز ہے

رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا، اس کے گزرنے سے بہت سے لوگوں پر ایک مایوسانہ کیفیت طاری ہوئی، جیسے کوئی عزیز مہمان رخصت ہو جائے اور بہت دنوں میں اس کے آنے کی امید ہو۔ بہت سے لوگوں پر ایک اطمینانی کیفیت طاری ہوئی، جیسے ان کا کام ختم ہو گیا، اور اب ان پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ دونوں کیفیتیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا اور رمضان المبارک کی روح اور پیام کے منافی ہیں۔ رمضان اگر رخصت ہوا، تو ایمان اور اس کے تقاضے، شریعت اور اس کے احکام، اللہ تعالیٰ اور اس سے تعلق بہر حال باقی ہے۔

رمضان درحقیقت ایک دور کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک دور کا آغاز ہے۔ رمضان انتہا نہیں، ابتدا ہے۔ رمضان سب کچھ لے کر اور سب نعمتیں تہہ کر کے اور لپیٹ کر نہیں جاتا ہے، وہ بہت کچھ دے کر، جھولیاں بھر کر اور نعمتیں لٹا کر جاتا ہے، رمضان کے بعد آدمی گناہوں سے ضرور ہلکا ہوتا ہے، لیکن ذمہ داریوں سے بوجھل اور گرانبار ہو جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود بہت سے بھائی دل میں کہتے ہوں گے کہ رمضان گیا، اب کیا کریں؟ اس مختصر مضمون میں اسی سوال کا جواب مقصود ہے، یہاں ان باتوں کا تذکرہ کیا جائے گا جو رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے کی ہیں۔

توبہ واستغفار

(۱) توبہ:۔ سب سے مقدم اور اہم کام یہ ہے جس کے لیے کسی زمانہ اور مقام کی قید نہیں، مگر رمضان المبارک اس کی تحریک اور تقاضا پیدا کرتا ہے، اور اس کو آسان بنا دیتا ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے ٹوٹا ہوا رشتہ یا چھوٹا

ہوا رشتہ جوڑیں۔ توبہ کی قرآن وحدیث میں اس قدر ترغیب وتاکید ہے اور اس قدر اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو ایمان کے بعد سب سے اہم چیز معلوم ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [سورة النور: ۳۱]۔ ''تم اے ایمان والو! اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔''

دوسری جگہ ہے: ﴿تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾ [سورة التحريم: ۸]
''اللہ سے سچی اور مخلصانہ توبہ کرو۔''

کہیں کہیں مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بڑی بڑی عبادتوں اور فضیلتوں سے پہلے توبہ کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [التوبة: ۱۱۲]

''وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، اور منع کرنے والے بری بات سے، اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھے اللہ نے، اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو۔''

حدیث شریف میں آتا ہے: (كُلُّكُمْ خَطَّاؤُونَ وَخَيْرُ الْخَاطِئِينَ التَّوَّابُونَ) تم سب اے انسانو! خطا کار ہو اور گناہ گار ہو، اور خطا کاروں اور گنہگاروں میں سب سے بہتر کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے: '' اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ '' [1] ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ ہی نہیں''۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے کی توبہ سے ایسی خوشی ہوتی ہے جیسے کہ ایک قصہ ہے کہ ایک شخص اپنا سارا سامان واسباب خوراک ایک اونٹ پر باندھ کر کے ایک ریگستان کا سفر کر رہا تھا، اس کا اونٹ کھو گیا، وہ شخص اپنی زندگی سے مایوس ہو کر مرنے کے

(۱) رواه ابن ماجه، حديث رقم ۴۲۵۰

لیے تیار ہو کر سو گیا، جب اس کی آنکھ کھلی تو اچانک وہ دیکھتا ہے کہ اونٹ سامان سے لدا سرہانے کھڑا ہے۔ وہ خوشی میں ایسا مست ہو گیا کہ اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے اور کہنے لگا کہ: ''اے اللہ! میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ، تیرا بڑا شکر ہے''۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ توبہ کرنے والا انسان اپنے آقا کا بھاگا ہوا غلام ہے۔ جب بھی وہ واپس آ جائے، آقا کو خوشی ہونی چاہیے، یہ خوشی اس کی ربوبیت، کرم اور محبت کا ایسا ہی تقاضا ہے جیسا اونٹ کے مل جانے پر انسان کی خوشی، اس کی بشریت اور احتیاج کا تقاضا ہے۔

توبہ ایک مستقل عبادت ہے

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ صرف ضرورت ہی کی چیز اور مجبوری کا معاملہ نہیں ہے، کہ جب آدمی کسی معصیت میں مبتلا ہو جائے تو توبہ کرے، یہ تو فرض واجب ہے اور اس کے بغیر تو صاحب ایمان کو چین ہونی نہیں چاہیے، بلکہ توبہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرب اور محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعہ سے جو ترقی ہوتی ہے، اس کو کوئی عبادت نہیں پہنچ سکتی۔ اس لیے ابرار وصالحین اور مقربین کو بھی اس کی ضرورت ہے۔ وہ جب کسی توبہ کرنے والے پر رحمت الٰہی کی بارش اور اس ذات عالی کی نوازش دیکھتے ہیں تو ان کو بڑی بڑی عبادتیں اس کے سامنے ہیچ اور حقیر معلوم ہونے لگتی ہیں، اور وہ اس وقت اس گروہ میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں جو رحمت الٰہی کا مورد ہوتا ہے۔

سب سے اعلیٰ اور افضل کام

بہر حال رمضان کے بعد سب سے مقدم اور اہم اور سب سے اعلیٰ و افضل کام یہ ہے کہ ہم اپنے سارے گناہوں سے توبہ کریں اور وقتاً فوقتاً توبہ کرتے رہیں، آنحضرت ﷺ ایک ایک مجلس میں ستر ستر اور بعض اوقات سو سو مرتبہ استغفار کرتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیے تھے: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ [سورۃ الفتح: ۲]۔

قارئین عزیز اس کا خاص اہتمام رکھیں اور توبہ واستغفار کی دولت حاصل کرتے رہیں،

حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بڑا خوش قسمت ہوگا جو حشر کے دن اپنے نامۂ اعمال میں استغفار کی کثرت پائے گا۔

ایمان کی تجدید

(۲) ایمان کی تجدید:- بہت سے بھائی سمجھتے ہیں کہ ایمان ایک مرتبہ میں لے آنا کافی ہے، اس کے بعد اس کو تازگی، غذا، تجدید کی ضرورت نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایمان اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا میلا اور پرانا ہو جاتا ہے، اس کو نیا اور اجلا کرتے رہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کو کس طرح نیا کریں؟ فرمایا: لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی کثرت کرو۔ خود قرآن شریف میں ہے: ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ﴾ [سورة الحديد: ١٦] "کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑ گڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو اترا ہے سچا دین، اور نہ ہوں ان جیسے جن کو کتاب ملی تھی اس سے پہلے، پھر دراز گزری ان پر مدت، پھر سخت ہو گئے ان کے دل اور بہت ان میں نافرمان ہیں"۔

اس آیت کے سننے اور پڑھنے کے بعد بعض اصحاب اپنے دل کی سختی اور بے حسی سے شاید مایوس ہوتے اور سمجھتے کہ دل کی یہ زمین بالکل اوسر اور بنجر ہو گئی ہے اور اب بھی اس میں شادابی اور روئیدگی پیدا نہیں ہوگی، تو معاً اس کے بعد ارشاد ہوا: ﴿اعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ [سورة الحديد: ١٧]

"یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، ہم نے تمہارے لیے اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کیں تا کہ تم سمجھو"۔

ایک آیت میں فرمایا گیا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا﴾ [سورة النساء: ١٣٦] یہاں بھی ایمان کی تکمیل و تجدید مراد ہے۔

بہر حال ہر شخص کو اپنے ایمان کی تکمیل و تجدید اور تقویت کی ضرورت ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں:

ایک سوچ سمجھ کر، شعور و احساس کے ساتھ کلمۂ توحید کی تکرار و کثرت۔ صحابہ کرامؓ سے

کہا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت کرو، ظاہر ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اور معنی مطلب پر غور کیے کلمہ کی تکرار اور کثرت نہیں کرتے ہوں گے۔

دوسرے ذکر کی کثرت اور ذکر کی قوت، یہ دونوں مستقل چیزیں ہیں۔ عام حالات میں ذکر کی کثرت ذکر میں قوت پیدا کر دیتی ہے۔ خاص حالات میں ذکر کی قوت کثرت کے قائم مقام بن جاتی ہے۔ قوت کے معنی ہیں کہ خاص کیفیات، توجہ، استحضار کے ساتھ اللہ کو یاد کیا جائے۔ ان کیفیات وخصوصیات کے ساتھ تھوڑا سا یاد کرنا بھی تھوڑا نہیں ہے اور بڑے اثرات رکھتا ہے، لیکن یہ بات بڑی استعداد یا اہل یقین یا طویل محنت، یا ندامت اور انابت سے پیدا ہوتی ہے۔

تیسری چیز اہل یقین کی صحبت ہے، جس کی کیمیا اثری اور پارس صفتی دنیا کو تسلیم ہے، اور قرآن مجید کی اس پر مہر لگی ہوئی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ [سورة التوبة: ۱۱۹] "اے ایمان والو! اللہ کا لحاظ کرو اور اس سے ڈرو اور صادقین (راست بازوں) کے ساتھ رہو۔"

چوتھی چیز اعمال کی کثرت اور مداومت ہے۔ اس سے بھی ایمان میں جلا اور قوت اور زندگی پیدا ہوتی ہے۔

شریعت کا پاس ولحاظ اور سنت کی اتباع

(۳) رمضان کے بعد اور ہمیشہ کرنے والے کاموں میں شریعت کی پابندی اور فرائض واحکام کی بجا آوری ہے، جس کی خصوصی مشق رمضان میں کرائی جاتی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ، سوچنے والی بات ہے کہ جب رمضان میں حلال وطیب چیزیں ایک خاص وقت کے اندر ممنوع قرار دی گئی ہیں، اور ان پر بندش عائد ہوگئی، تو وہ چیزیں جو سدا سے حرام اور قیامت تک حرام رہیں گی، وہ غیر رمضان میں کیسے جائز ہو سکتی ہیں؟

واقعہ ہے کہ مومن کے دو روزے ہیں: ایک عارضی اور ایک دائمی۔ عارضی روزہ رمضان میں ہوتا ہے، صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک، اس میں کھانا پینا اور ممنوعاتِ صوم سب ناجائز ہوتے ہیں، دائمی روزہ بلوغ سے موت تک، اس میں خلاف

شریعت کا م اور ممنوعات شرعیہ سب ناجائز ہوتے ہیں، ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ [سورۃ الحجر: ۹۹] ''اپنے رب کی بندگی اور تابعداری کرو جب تک موت نہ آجائے''، کیسے تعجب کی بات ہے کہ عارضی روزے کی پابندی کی جائے اور اور دائمی روزے کو کھیل بنالیا جائے، جس کا ایک جز و اور ایک حصہ یہ عارضی روزہ ہے، اگر وہ روزہ نہ ہوتا تو یہ روزہ بھی نہ ہوتا، وہ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، یہ روزہ کلمہ پڑھ لینے اور اسلام کی حالت میں زمانۂ بلوغ کے آجانے سے شروع ہوتا ہے۔ وہ روزہ آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے، یہ روزہ بھی جب تک زندگی کا آفتاب رہتا ہے، باقی رہتا ہے۔ جہاں زندگی کا آفتاب غروب ہوا، اور طائر روح نے اپنے قفس کو چھوڑا، وہ روزہ بھی ختم ہوا۔ رمضان گزر گیا، فرض روزے بھی اس کے ساتھ گئے، مگر اسلام باقی ہے اور اس کا طویل اور مسلسل روزہ بھی باقی ہے، پہلے کی عید دوگانہ ہے، جو عیدگاہ اور مسجد میں ادا ہو جاتی ہے، دوسرے کی عید وہ حقیقی عید ہے جس کے متعلق شاعر عارف نے کہا ہے:

انبساط عید دیدن روئے تو عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ [سورۃ القیامۃ: ۲۲-۲۳]

''اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنی رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

رمضان کا خاص تحفہ اور سوغات

(۴) رمضان مبارک کا بڑا تحفہ اور عطیۂ ربانی یہ قرآن مجید ہے: ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ﴾ [سورۃ البقرۃ: ۱۸۵]، ''مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔''

رمضان تو سال بھر کے لیے رخصت ہوا، مگر اپنا پیام، اپنا تحفہ اور اپنی سوغات چھوڑتا گیا۔ ضرورت ہے کہ رمضان گزر جانے کے بعد اس تحفہ سے اس کی یاد تازہ کی جائے، اس کی برکات حاصل کی جائیں، بلکہ واقعہ ہے کہ تحفہ قاصد سے بڑھ کر ہے۔ شاہ وقت اپنے کسی منتخب غلام کو کسی قاصد کے ہاتھ تحفہ بھیجے، تو یہ تحفہ اس کی خاص سوغات ہے۔ یہ قرآن مجید اللہ

تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفات کا مظہر ہے۔ اس وقت پورے عالم انسانی میں اور اس زمین کی سطح کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات سے قرب رکھنے والا اور اس کی صفات و کمالات کا پرتو قرآن مجید ہی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کو ایک زندہ کتاب کی طرح ہمیشہ پڑھا جائے اور یقین پیدا کیا جائے کہ ہم اللہ کا کلام پڑھ رہے ہیں اور اس ذات عالی کے مخاطب اور ہم کلام ہیں۔ پڑھتے وقت ہمارا سینہ اس یقین سے معمور ہو، ہمارا دل اس احساس سے مسرور اور ہماری روح اس کیفیت سے مخمور ہو۔ حضرت اُبی بن کعبؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا: "هَلْ سَمَّانِي رَبِّيْ؟" کیا میرے مالک نے میرا نام لے کر کہا کہ (ابی بن کعب سے) قرآن مجید پڑھوا کر سنو؟ اور جب اس کا جواب اثبات میں ملا تو فرطِ مسرت سے رو پڑے۔ ہم کو بھی اس پر ناز ہونا چاہیے کہ ہمارا رب ہم سے مخاطب ہے اور ہم میں سے ہر شخص فرداً فرداً اس کا مخاطب اور شرفِ خطاب والتفات سے مشرف ہے۔ بہت سے بھائی رمضان میں بڑی مستعدی سے قرآن مجید سنتے اور پڑھتے ہیں، مگر رمضان ختم ہوتے ہی اس کو طاق پر ایسا رکھتے ہیں کہ پھر رمضان ہی میں اتارتے ہیں، یہ بڑی ناقدری اور نادانی کی بات ہے۔ رمضان مبارک اس کی تقریب کرا کے رخصت ہوتا ہے، وہ اس لیے آتا ہے کہ آپ سال بھر اس کو پڑھتے رہیں، نہ اس لیے کہ سال بھر کا آپ اس میں پڑھ لیں، پھر سال بھر کے لیے چھٹی۔ اس لیے رمضان کے بعد کرنے کا چوتھا کام یہ ہے کہ ہم قرآن مجید سے اپنا تعلق باقی رکھیں اور اس کی تلاوت، غور وتدبر جاری رکھیں۔

ہمدردی وغمخواری

(۵) رمضان مبارک ہمدردی وغمخواری، امداد واعانت اور حسن سلوک کا خاص مہینہ ہے۔ اس کو شَهْرُ الْبِرِّ وَالْمُوَاسَاةِ کہا گیا ہے۔ اس کے جانے کے بعد بھی ہمیں اس شعبہ کو زندہ رکھنا چاہیے، اور ان سب بھائیوں کی خبر لیتے رہنا چاہیے، جو ہماری امداد واعانت اور سلوک کے محتاج ہیں۔ موجودہ بے روزگاری اور گرانی نے ان لوگوں کی تعداد بہت بڑھا دی ہے جو پیسہ پیسہ کے محتاج اور دانے دانے کو ترستے ہیں، اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے، ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي

الْأَرْضِ، يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا، وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ، فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ [سورة البقرة:۲۷۳]۔

رمضان کی تاثیر اور روزے کی قبولیت کی یہ بھی علامت ہے کہ دل میں گداز اور طبیعت میں نرمی اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو اور رمضان گزر جانے کے بعد بھی خلق خدا پر شفقت، غربا پر ترس، اور پریشاں حال لوگوں کے ساتھ سلوک کی خواہش اور کوشش ہو۔

یہ ہیں وہ سب کام جو رمضان کے بعد بھی جاری رہنے چاہئیں، اور رمضان جن کے لیے خاص طور پر تیار کر کے جاتا ہے۔ ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ- الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ.﴾ [سورة الزمر:۱۷-۱۸] (۱)

---

(۱) ماہنامہ "صبح صادق" (لکھنؤ) (شمارہ جون ۱۹۵۵ء)۔